ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

نگرانِ اعلیٰ
مولانا مفتی محمود

اکابر دار العلوم دیوبند کیا تھے

ایشیا کی عظیم یونیورسٹی اپنی ایک صدی کی جدوجہد پر نظر ڈالتے ہوئے اگلی صدی کے سفر کا آغاز کر رہی ہے۔

۱۸ اپریل تا ۲۴ اپریل ۱۹۸۰ء

قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے

شمارہ ۱۶

ارمان گھائل ہو گئے

اے حسین احمدؒ کے بیٹو! تم نے سوچا بھی کبھی — کیوں تمہارے در پئے آزار جاہل ہو گئے

کیوں بھلا ڈالا ہے تم نے سلف کی تاریخ کو — اِس قدر کیوں تم تن آسانی پہ مائل ہو گئے

کل تمھاری بے نیازی کا دبدبہ تھا دہر میں — سیم و زر پہ کس لئے تم آج مائل ہو گئے

اب تو اٹھو! اے خدا والو! خدا کے واسطے — اب تو حد یہ کہ رذائل بھی فضائل ہو گئے

کیا تمھاری بے نیازی نے دکھائے ہیں یہ دن — کیوں تمھارے دشمنِ جاں اہلِ باطل ہو گئے

غافلو! کے واسطے جو تازیانہ تھے کبھی — کیوں نہ جانے اپنے منصب سے وہ غافل ہو گئے

پرچم قرآن و سنّت لے کے نکلو! دوستو! — بدعتیں ہی عصرِ حاضر کے مسائل ہو گئے

اے اسیرِ مالٹاؒ کے نام لیوا غور کر! — تجھ سے مخفی کیوں اکابر کے شمائل ہو گئے

گفتنی ناگفتنی حالات سے اکرام اب
روح زخمی ہو گئی ارمان گھائل ہو گئے

اکرام القادری

ہفت روزہ
لاہور
ترجمان اسلام

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۱۶

جمعۃ المبارک ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ

سرپرست
مولانا عبیداللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط و کتابت: ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

روسی مداخلت کو روکنے کے لئے اقدامات

سعودی عرب کے دفاع اور ہوابازی کے وزیر شہزادہ سلطان بن عبد العزیز نے فرانس کے ہفتہ وار جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب افغانستان اور دیگر علاقوں میں روسی مداخلت کو روکنے کے لئے اقدامات کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ یہودی اثر و نفوذ سے چھٹکارا حاصل کر کے منصفانہ طرزِ عمل اختیار کرے۔ انہوں نے کہا کہ خلیج کی ریاستیں غیر ملکی تسلط سے آزاد رہنی چاہئیں۔ انہوں نے کہا کہ روسی فوج کشی کا مقصد افغانستان سے بھی آگے اہم مقامات پر کنٹرول حاصل کرنا ہے جن میں مشرق وسطیٰ کے تیل کی دولت سے مالا مال علاقے شامل ہیں اور جن سے صرف ہمارے اہم مفادات وابستہ نہیں ہیں بلکہ مغربی دنیا کے اقتصادی مفادات بھی وابستہ ہیں۔

عالمی برادری اور عالم اسلام میں سعودی عرب کا جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بُرے سے بُرے حالات میں بھی سعودی عرب نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس کی روشنی میں ہمیشہ اعتدال اور مفاہمت کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔ عالمِ اسلام کے بطل جلیل مرحوم شاہ فیصل مرحوم بھی اسی راہ پر گامزن تھے اور اب ان کے جانشین بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

سعودی وزیر دفاع جناب شہزادہ سلطان بن عبد العزیز نے اپنے انٹرویو میں جو کچھ کہا ہے اس کا لفظ لفظ مبنی بر حقیقت ہے۔ افغانستان ایسے غریب اور پسماندہ ملک میں تمام تر بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے روس نے جو قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا ہے اس پر عالمی رائے عامہ نفرت و مذمت کا اظہار کر چکی ہے مگر اب تک روس نے عالمی رائے عامہ کی کوئی پروا نہیں کی اس لئے کہ روس خلیج کی ریاستوں کے تیل کے چشموں کو اپنے کنٹرول میں کرنا چاہتا ہے۔

لیکن شہزادہ سلطان نے یہ کہہ کر پورے عالم اسلام اور دیگر پسماندہ قوموں کے مؤقف کی نمائندگی کی ہے کہ سعودی عرب افغانستان اور دیگر علاقوں میں روسی مداخلت کو روکنے کے لئے اقدامات کرے گا۔ امریکہ کے بارے میں شہزادہ سلطان نے جو کچھ کہا وہ عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے۔ افغانستان کے مسئلہ پر امریکہ نے سوائے گیدڑ بھبکیوں کے اور کچھ نہیں کیا بلکہ امریکہ کی طرف سے کچھ ایسے غیر محتاط بیانات بھی دیئے گئے جن سے پاکستان کی پوزیشن پر براہ راست زد پڑی۔ مشرق وسطیٰ میں بھی امریکہ نے غلط طرزِ عمل اپنایا ہوا ہے۔ محض اسرائیل کو خوش کرنے کے لئے پورے عالم عرب اور عالم اسلام سے جنگ مول لی ہوئی ہے اور اب ایران کے معاملے میں امریکہ کے تازہ رویے نے امریکہ پر اعتماد کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔

اس سلسلے میں بقول شہزادہ سلطان اگر امریکہ یہودیوں کے اثر و نفوذ سے چھٹکارا حاصل کر کے منصفانہ طرزِ عمل اپنا لے تو امریکہ کی آواز میں وزن پیدا ہو سکتا ہے، مگر امریکہ کی سیاست کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ امریکہ اپنے موہوم اور معمولی مفادات کے لئے بھی اپنے دوستوں کے یقینی مفادات تک کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے دوست ممالک کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

[illegible] پبلشر مولانا عبیداللہ انور، شیرانوالہ گیٹ لاہور — ۸

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

فاتح قدسیہ

"اللّٰھمّ استجب لسعدؓ اذا دعاک" — حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فاتح قادسیہ، فاتح مدائن مجاہد اسلام سپہ سالارِ اعظم سیدنا حضرت ابو اسحاق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف نبوت کے فوراً بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ تیسرے مسلمان ہیں۔ آپ کا شمار ان خوش قسمت دس اصحابؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے جو عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں، اس لئے کہ ان دس سعید الفطرت مقدس حضرات کو حضرت نبی کریم علیہ السلام نے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت کی خوشخبری سُنائی تھی۔ آپؓ نے صرف سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول فرمایا۔ آپؓ کے والد کا نام مالک بن وہیب قریشی ہے اور کنیت ابی وقاص تھی۔ آپؓ والد کی کنیت والے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ آپؓ کا قد چھوٹا اور فربہ اندام تھے، اور آپؓ کے تمام بدن پر بال بھی تھے۔ تقریباً آپؓ جمیع غزوات میں شریک ہوئے۔ بہت نڈر اور بہادر تھے۔ بخاری شریف میں حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

(ترجمہ) بعض اوقات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگوں میں سوائے میرے اور حضرت سعدؓ کے اور کوئی بھی باقی نہ رہتا تھا۔"

حضرت فاروق اعظمؓ اسلام کی شرفیابی سے قبل جب بایں نیت ہاتھ میں تلوار لہرائے حضرت داعئ اسلام علیہ السلام کے قتل کے ارادے سے نکلے تھے (العیاذ باللہ) تو اسوقت بھی اسی سعید الفطرت حضرت سعدؓ نے آپ کو للکارا کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ حضرت عمرؓ کے جواب کے بعد فرمایا کہ تم بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ بدلے میں تمکو ضرور قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر حضرت عمرؓ بگڑ گئے اور فرمایا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تو بے دین یعنی مسلمان ہو گیا ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ پہلے میں تیرا کام ہی تمام کر دوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی جواباً یہی کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں اپنی تلوار میان سے نکال لی۔ اس سے پہلے کہ قریش کے یہ دو بہادر دو دو ہاتھ کرتے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ تو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے۔ آپ کا بہنوئی حضرت (سعد بن زیدؓ) اور آپ کی بہن (حضرت فاطمہ بن خطابؓ) مسلمان ہو چکے ہیں تو یہ جھگڑا رفو چکر ہو گیا، مگر اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس زمانے میں جبکہ اپنے اسلام کو ظاہر کرنا بہت مشکل تھا برملا اپنے اسلام کا اظہار کر دیا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں ننگی تلوار بھی لہرا رہی تھی۔ اسلام کے اس بہادر اور جسری سپاہی کی زبان پر اکثر یہ دعا رہا کرتی تھی کہ یا اللہ میرا مقابلہ بہادر کفار کے ساتھ ہو اور میں ان کو تہہ تیغ کر ڈالوں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضؓ نے غزوۂ احد میں جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا کہ اے سعدؓ آئیے آج اپنے رب کائنات سے ایک جامع دعا مانگئے۔ ہر میں سے ہر آدمی اپنے مقصد کے مطابق دعا مانگے اور دوسرا آمین کہے، اسی طرح جب دوسرا دعا مانگے تو پہلا آمین کہے۔ پھر ان دونوں حضرات نے علیحدگی میں بیٹھ کر دعا مانگی۔ سب سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے دعا مانگی کہ:

"یا اللہ جلّ جلالہ جب کل کفار کے ساتھ لڑائی ہو تو کفار کے بڑے سے بڑے بہادر کو میرے مقابلہ کے لیے مقرر فرمائیے جو بہت بڑا حملہ آور ہو۔ وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں اس کا سخت مقابلہ کروں اور زوردار حملہ کروں۔ پھر مجھ کو اس کے مقابلے میں کامیابی ہو کر میں اس کو تیرے راستہ میں قتل کر ڈالوں۔"

تو حضرت عبد اللہؓ نے آمین کہی۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ نے دعا مانگی کہ:

"یا اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور شہادت بھی ایسی کہ کفار میرے کان، ناک وغیرہ کاٹ دیں،"

پھر قیامت میں جب تیرے ہاں پیشی ہو تو تو مجھ سے دریافت فرمائے کہ عبداللہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں کہ یا اللہ تیرے لئے تو پھر تو کہے کہ ہاں یہ سچ ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

تو حضرت سعدؓ نے آمین کہی۔ صبح جب جنگ کا میدان گرم ہوا تو بعینہٖ ان دونوں حضرات کی یہ دعائیں مقبول و مبرور ہوئیں (اللہ اکبر) یہ کیسے آدمی تھے!

ہمیشہ جانثاران پیمبرؐ یاد آتے ہیں
جو دنیا جگمگاتے تھے وہ گوہر یاد آتے ہیں

غرضیکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بڑے جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ بہت بڑے بہادر تھے، بہت بڑے مدبر تھے۔ سپہ سالاری کے ساتھ ساتھ امور مملکت اور ملکی نظم و نسق چلانے کے بھی ماہر تھے اور قدرت نے اور بھی متعدد عمدہ صلاحیتیں آپؓ میں ودیعت فرما دی تھیں۔ اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے آپؓ کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا تھا تو آپؓ نے کوفہ میں ایسا بہترین نظام قائم رکھا کہ کوفہ ہر لحاظ سے ترقی یافتہ بن گیا۔ حضرت امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں جب عراق اور ایران کی لڑائیاں زوروں پر تھیں اور کسی صورت یہ بڑی طاقتیں اپنی ہار تسلیم نہ کرتی تھیں اور فاروق اعظمؓ نے بھی فرمایا تھا کہ:

کاش ہمارے اور ان کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا۔

ایسے آزمائش کے وقت میں عراق کی لڑائی کے وقت حضرت فاروق اعظمؓ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا۔ مجلس شوریٰ میں کئی ایام تک یہ فیصلہ زیر غور رہا کہ آیا امیرالمومنین کی شرکت ضروری ہے یا مرکز اسلام مدینہ منورہ میں بیٹھ کر لشکروں کو ترتیب دے کر روانہ کرنا ضروری ہے، مگر کوئی خاص فیصلہ صحابہ کرامؓ کی مجلس شوریٰ نہ کر سکی۔ پھر ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تذکرہ بھی آیا کہ آپؓ کو امیر لشکر (سپہ سالار) تجویز کر کے اس بڑی مہم کی فتح کے لئے بھیجا جائے۔ اس کو سب نے اتفاق رائے سے پسند کر لیا کہ اگر حضرت سعدؓ کو بھیجا جائے تو یہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ حضرت سعدؓ کے امیر لشکر ہونے کے بعد حضرت امیرالمومنینؓ کے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لئے کہ حضرت سعدؓ عرب کے بہت بڑے شیروں اور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ الغرض اس تجویز کو منظور کر کے حضرت سعدؓ کو اسلامی لشکر کا امیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ جب حضرتؓ روانہ ہونے لگے تو حضرت امیرالمومنین فاروق اعظمؓ نے آپ کو حسب سابق وصیت فرمائی، جس کے الفاظ یوں منقول ہیں:

"سعدؓ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلاتے ہو اور آنحضرت علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں دھوتے بلکہ برائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں — اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس کے یہاں صرف اور صرف اس کی بندگی مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں رذیل اور شریف سب برابر ہیں۔ سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے۔ اس کے انعامات بندگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر امر میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور علیہ السلام کا طریقہ تھا وہی عمل کی چیز ہے۔ میری اس نصیحت کو ہر حالت یاد رکھنا تم ایک بہت بڑے عظیم الشان کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو اس سے چھٹکارا صرف حق کی اتباع ہی سے ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبیوں کا عادی بنائے رکھنا اللہ تعالیٰ کے خوف کو قائم رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دو باتوں سے جمع ہو سکتا ہے، ایک اس کی اطاعت اور دوسرا معصیت سے اجتناب۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوتی دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت ہی کے طفیل نصیب ہوئی ہے۔"

اس کے بعد بھی آپؓ نے چند اور باتیں فرمائیں اس کے بعد حضرت سعد کا لشکر روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی وہاں کے جرنیل اور مشہور پہلوان رستم کو ایک طویل خط لکھا جس میں یہ جملہ بھی درج تھا:

(ترجمہ) بے شک میرے ساتھ ایک ایسی جماعت ہے (جماعت صحابہ کرامؓ) جو موت کو ایسے ہی محبوب رکھتی ہے جیسے تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔ (تفسیر عزیزی)

اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے جب کسریٰ نے اپنے ملک کے مشہور پہلوان رستم کو حکم دیا تو وہ بڑی قوت ہونے کے باوجود لیت و لعل سے کام لینے لگا اور اس نے درخواست کی کہ میں جناب کے ساتھ رہ کر یہاں سے لشکر بھیجوں گا اور صلاح و مشورہ میں مدد دوں گا مگر بادشاہ یزدجرد نے اس کو مجبور کر دیا کہ وہی فوج کی کمان سنبھالے۔

جنگ قادسیہ

اب مجبوراً رستم پہلوان کو مقابلہ میں آنا پڑا۔ رستم نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ حضرت امیرالمومنینؓ نے بھی رستم کے مقابلہ کے لئے حضرت سعد بن وقاصؓ کو صرف بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ فرمایا تھا جس میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوف عشرہ مبشرہ اور متعدد جلیل القدر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے لشکر نے شراب کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ حضرت مثنیٰؓ جو اس جنگ سے قبل معرکہ جسر میں زخمی ہو گئے تھے اپنے

ہمراہ آٹھ ہزار اسلامی لشکر کی معیت میں حضرت سعدؓ کے ہمراہ آنے والے اسلامی لشکر کا انتظار فرما رہے تھے اس کا انتقال ہو گیا تو وہ آٹھ ہزار مزید اسلامی لشکر بھی مقام شراف میں حضرت سعدؓ کے ساتھ آ کر مل گیا۔ حضرت امیر المؤمنینؓ نے ہدایت بھیجی کہ اب قادسیہ میں اس طرح مورچے جماؤ کہ فارس کی زمین سامنے رہے اور پیچھے پہاڑ حفاظت کا کام دے سکیں تاکہ بفضل الٰہی فتح کی صورت میں آگے بڑھنا آپ کے لئے آسان ہو اور خدانخواستہ پیچھے بھی ہٹنا پڑے تو پہاڑوں میں پناہ لے سکو۔ حضرت امیر المؤمنینؓ اسلام سے قبل عراق کے علاقوں کا کئی بار سفر کر چکے تھے، اس لئے نقشہ آپ کے سامنے تھا۔ مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر ہی وہ اپنے لشکر کے سپہ سالار حضرت سعدؓ کو ٹھیک ٹھیک رہنمائی دے رہے تھے اور یہ ہدایت بھی بھیجی کہ جنگ کا موقع اور پوری پوری تفصیل لکھ کر بھیجدیں۔ حضرت سعدؓ نے قادسیہ پہنچنے کے بعد اپنے جنگی جاسوس (جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بھی غزوات میں یہ جاسوس بھیجے جاتے تھے) خفیہ طور پر دشمن کی خبر لانے کے لئے روانہ کئے تو ان کی خبروں کی روشنی میں رپورٹ مرتب کر کے دربار خلافت میں فوراً بھجوا دی گئی۔ حضرت امیر المؤمنینؓ نے ہدایت بھیجی کہ جنگ سے پہلے چند لوگوں کو سفیر بنا کر بادشاہ ایران یزدگرد کے پاس بھیجا جائے جو اہل ایران کو اسلام کی دعوت دیں۔ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ حضرت سعدؓ نے اپنے لشکر میں سے چودہ معزز افراد کو منتخب کر کے بادشاہ یزدگرد کے پاس اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے روانہ فرما دیا جن کے نام بھی کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔ یہ چودہ دلیر بہادر اور نڈر مجاہدین اسلام شہ زور گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ایرانی دربار کے عین سامنے رکے تو ان کے گھوڑوں پر زین بھی نہیں تھے۔ ہاتھوں میں کسی قسم کا کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔ صرف کوڑے پکڑے ہوئے تھے لیکن عظمت ان کی پیشانیوں سے اور بے خوفی ان کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔ پچھلے کبھی کئی معرکوں نے ایرانیوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ اب ایرانی دربار میں اس عظیم الشان شوکت و عظمت نے یزدگرد کو اور بھی مرعوب کر دیا، تاہم یزدگرد نے اپنی مصنوعی شاہانہ شان و شوکت سے ان مدبروں اور دلیروں کو متاثر کرنے کی بڑی ہی بڑی کوشش کی۔ مال و دولت کا لالچ بھی دیا۔ بھلا وہ عظیم ترین مجاہدین اسلام ان باتوں سے کب مرعوب ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان چودہ ۱۴ صحابہؓ میں سے حضرت نعمانؓ بن مقرن نے آگے بڑھ کر پہلے مختصر الفاظ میں اسلام کا تعارف کرایا۔ پھر دلائل دے کر میٹھی زبان سے بتایا کہ ہمارے پاس ساری دنیا کے لئے صرف اور صرف ایک ہی پیغام ہے:

۱۔ اسلام قبول کریں؛
۲۔ جزیہ دینا تسلیم کریں، یا
۳۔ پھر جنگ

یہ سن کر یزدگرد غصہ میں آ گیا اور اس نے ان عرب رہنماؤں سے کہا کہ تم دنیا میں ذلیل اور بدبخت قوم تھے اور ایرانی فوج کے سرحدی محافظ ہی تمہاری گوشمالی کے لئے کافی ہوا کرتے تھے۔ اب حضرت مغیرہ بن زرارہؓ نے جوابی گفتگو میں فرمایا کہ آپ نے بالکل ٹھیک اور بجا ہی فرمایا ہے کہ ہم ایک گمراہ قوم تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے، حتیٰ کہ اپنی ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک معزز قوم قریش میں سے پیغمبر اسلام بھیجا۔ اس نے ہم کو نیکی کی تعلیم دی، اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچائے اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اسلام کو دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے پیش کریں اور پھیلائیں۔ جو لوگ اسلام قبول کر لیں گے وہ مرتبہ میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔ جو جزیہ دینا تسلیم کر لیں گے وہ ہماری نگرانی میں ہوں گے۔ جو ان دو میں سے کسی پر بھی راضی نہ ہوں گے ان کے ساتھ تلوار سے فیصلہ کیا جائیگا، تو یزدگرد یہ کھری کھری باتیں سن کر پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا کہ اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو میں کسی صورت تم کو زندہ واپس نہ جانے دیتا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ تم میں سے زیادہ معزز کون ہے تو عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید نزلہ اسی پر گرے گا اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے فرمایا، ہاں جی کیا بات ہے؟ یزدگرد نے مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور ان کے سر پر رکھوا دیا۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہو گئی! اور یہ معزز ترین مجاہدین اسلام اپنے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس قادسیہ میں اپنے سپہ سالار حضرت سعدؓ کے پاس پہنچ گئے اور آتے ہی کہا کہ فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زمین ہم کو دے دی ہے! اور پھر مکمل داستان حضرت سعدؓ کو سنائی۔

اگرچہ رستم کے پاس غیر معمولی اور بے پناہ ساز و سامان تھا۔ ان گنت فوج بھی تھی؛ مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا اور لڑائی کو ٹالتا تھا۔ مصالحت کی کوشش بھی کرتا رہا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کی جانب سے ایک دفعہ ربعیؓ اور دوسری دفعہ مغیرہؓ سفیر بن کر رستم کے پاس گئے مگر مصالحت کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ بالآخر محرم ۱۴ھ کو دونوں فوجیں باہم مقابل صف آرا ہو گئیں۔ اسلامی لشکر میں ابتداً قاریوں نے سورہ جہاد کی آیات فضیلت جہاد فی سبیل اللہ خوش الحانی سے پڑھنی شروع کیں۔ شاعروں اور خطیبوں نے جوش و جذبات میں ہلچل پیدا کر دی۔ حضرت امیر لشکر سعدؓ بن ابی وقاص نے اسلامی لشکر کو اپنی روایت کے مطابق تین نعرے مارے پھر چوتھے نعرے پر جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں فوجیں بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑنے لگیں لیکن اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سعدؓ کو جلد احساس ہو گیا کہ ایرانی ہاتھیوں کا ان کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ باقی آئندہ

راؤ منوّر احمد خان

اہل ایمان کے قافلے - ولولے - حوصلے

اٹھے ہیں نقش قدم آج قدم سے پہلے

ایشیا کی عظیم ترین اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی ایک جھلک

دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی روداد چوہڑکانہ منڈی کے معروف عالم دین مولانا محمد یعقوب صاحب ربانی مہتمم جامعہ اسلامیہ اور جناب ممتاز احمد قریشی نے بیان کی۔ اسے ہمارے چیف رپورٹر نے قلمبند کیا۔ ہم ان ہر دو حضرات کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین کر رہے ہیں۔ ——— "ادارہ"

دیوبند:

رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن اس چھوٹی سی بستی کو علمی اور دینی امتیاز و تخصص حاصل ہے۔ اس لئے یہ بستی اپنی ہم قد بستیوں پر ہر لحاظ سے فائق ہے۔ اس بستی کا مختصر رقبہ اور اتنا مختصر رقبے میں علمی اور دینی کارناموں کے تکثر کی وجہ سے یہ کہنا سو فیصد درست ہو گا کہ:

بقامت کہتر بہ قیمت بہتر

شہر دیوبند کو جو کچھ شہرت نصیب ہوئی وہ دارالعلوم کی وجہ سے ہوئی لیکن دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی دیوبند بزرگان دین کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ دیوبند کے چاروں طرف بزرگان دین کے جو مزارات موجود ہیں وہ اس بات کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں کہ دیوبند اولیاء اللہ کی فیوض و برکات سے دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی محروم نہیں تھا۔

دیوبند کی قدامت ثابت کرنے کے لئے کافی دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم یہ بتانے پر اکتفا کریں گے کہ دیوبند ہزاروں سال قبل آباد ہو چکا تھا۔ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد یہ قصبہ آباد ہوا۔ مولانا ذوالفقار علیؒ بھی دیوبند کو طوفان نوحؑ کے فوراً بعد کی بستیوں میں شمار کرتے ہیں چنانچہ الھدیۃ السنیۃ میں وہ رقمطراز ہیں۔

(ترجمہ) دیوبند ایک قدیم ترین اور بڑی بستی ہے۔ یہ بستی شرفاء کی بستی ہے۔ ایک عظیم الشان شہر ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے طوفان نوحؑ کے فوراً بعد بسنے والی بستیوں میں سے ہے — اور بہت سے شواہد و قرائن سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ دیوبند ہزاروں برس پہلے آباد ہو چکا تھا۔

خصوصیات:

جہاں دیوبند کی اور بہت سی خصوصیات ہیں وہیں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے چاروں طرف اولیاء اللہ اور مشائخ عظام کے مزارات کا ایک جال بکھرا ہوا ہے جن کے برکات و فیوض سے دیوبند اور اس کے قرب و جوار کی فضائیں ہمیشہ منوّر اور معطّر رہی ہیں۔ کلیر۔ گنگوہ۔ نانوتہ، تھانہ بھون۔ کیرانہ۔ پھلت منگلور اور شاملی وغیرہ میں بزرگان دین کے مزارات مقدسہ کی وجہ سے ہر دور میں بشام و سحر انوار الٰہی کی بارشیں پیہم ہوتی رہتی ہیں۔

(بحوالہ ماہنامہ تجلی دیوبند نمبر)

تاریخ دیوبند کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمانوں نے دین و مذہب کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کو ہمیشہ اپنا مقصد زندگی سمجھا ہے۔ دینی خدمات کی بیشتر تحریکوں میں ان اضلاع کے مسلمانوں نے دل کھول کر حصہ لیا ہے۔ اس مبارک فرض کو انجام دینے میں ہمیشہ وہ دوسروں سے آگے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ پچھلی صدی میں اس سرزمین کو دینی سرگرمیوں کے مرکز بننے کا شرف حاصل رہا ہے۔

دیوبند کی وجہ تسمیہ

بعض حضرات نے کہا ہے کہ دیوبند کا پہلا نام دیوی بلاس تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سندری دیوی کا بہت بڑا مندر واقع ہے جو دیوی کنڈ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہاں ایک قلعہ میں دیوؤں کو بند کیا تھا، اسی وجہ سے اس کا نام دیو۔بند پڑا۔ برسہابرس پہلے دیوبند میں ایک قلعہ تھا جو اب بالکل منہدم بلکہ معدوم ہو چکا ہے۔

ایک روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیوبند کے باشندوں کی فریاد پر ایذا دینے والے ایک بڑے جن کو دیوبند میں واقع اسی کنوئیں میں مقید کر دیا تھا اسی وجہ سے اس کا نام دیوبند مشہور ہوا۔ اور بھی بہت روایات ہیں۔ تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "مولانا اصغر حسین میاںؒ کی کتاب حیات شیخ الہندؒ"

دارالعلوم کا قیام

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے فوراً بعد حضرات بزرگانِ دین نے اپنی توجہات دین بقا کے تحفظ پر مرکوز کر دیں اور اس کی فکر کرنے لگے کہ اس برصغیر میں انگریزی حکومت کے لائے ہوئے الحاد اور طوفانِ عیسائیت سے ملک و ملت کو محفوظ رکھنے کی کیا تدابیر کی جائیں، تاکہ آئندہ ہمارے عقائد و اخلاق، اعمال و افکار آنے والی طاقت کے جدید تہذیب و تمدن سے متاثر نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور آپ کے رفقاء کار نے اس تمام صورتحال کا مل کر جائزہ لیا۔ مرشدِ وقت حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ سے مشورہ ہوا۔ سبھوں نے طے کیا کہ آزاد دینی مدارس کا سلسلہ شروع کیا جائے اور ایسے مدارس کے تمام اخراجات خود مسلمان برداشت کریں۔ پہلا مدرسہ بجائے کسی بڑے شہر کے دیوبند میں قائم کیا جائے۔ چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی

۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بظاہر ناکام ہو جانے والی شکستہ دل مسلمان قوم کی دینی و قومی روایات کا تحفظ نہ ہوتا۔

۔ تعلیمات ولی اللّٰہی کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کا اہتمام نہ ہوتا اور

۔ تحریک سید احمد شہیدؒ کو برگ و بار میسر نہ آتے۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند نمبر انڈیا)

صد سالہ اجلاس

۲۱-۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو اس عظیم اسلامی یونیورسٹی کا صد سالہ اجلاس تھا جسکو قائم ہوئے ایک سو سترہ (۱۱۷) سال بیت چکے ہیں۔ اس دوران میں فارغ ہونے والے علماء کرام کو دستار فضیلت حاصل ہونا تھی اور عالمِ اسلام سے آئے ہوئے نمائندہ مسلمانوں کو دارالعلوم کی خدمات سے روشناس کرانا تھا۔ کئی سال سے اس جشن کی تیاریاں شروع تھیں۔ اس میں شرکت کے لئے ہر مسلمان کے دل میں ایک تڑپ تھی اور یہی تڑپ ان کو وہاں جانے پر مجبور کر رہی

دارالحدیث فوقانی : دارالحدیث کی بنیاد ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ کو رکھی گئی تھی۔
سنگِ بنیاد حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے رکھا۔ حضرت تھانویؒ نے اس موقعہ پر فرمایا کہ:
"سب حضرات ایک ایک اینٹ رکھیں نہ معلوم کس کا خلوص مقبول ہو جائے۔"

کاروانِ شوق

عشق و محبت اور جذب و مستی کی کیفیات بھی عجیب ہیں۔ ان جذبوں کے نتائج ہر جگہ ہر ماحول میں یکساں نہیں ہوتے۔ کبھی کھو کر رت جگے ملتے ہیں اور کبھی پاکر بھی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ ہجر کی صعوبتیں روح و دل کو گداز کی دولت بخشتی ہیں تو وصال کی لذتوں اور حلاوتوں کا مقابلہ بھی کوئی شیرینی اور کوئی ذائقہ نہیں کرسکتا۔ ایسے ہی ذائقہ —— ایسی ہی شیرینی سے وہ خوش نصیب شاد کام ہو رہے تھے جن کو قدرت نے دیوبند جانے کا موقع فراہم کیا تھا۔ ذوق شوق سے اہلِ قافلہ کے چہرے دمک رہے تھے۔ چمکتی ہوئی پیشانیاں قلبی کیفیات اور روح کے احساسات کا انعکاس بن گئیں تھیں۔ دل اور دماغ ان دیکھی شخصیتوں کے تصور میں

۱۸۶۶ء میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ پہلے سیدھا سادا نام مدرسہ اسلامیہ عربی تجویز ہوا جو آگے چل کر جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند کے نام سے پوری دنیا میں شہرت پاگیا۔

چھتہ کی مسجد

یہ مسجد دار العلوم دیوبند کے قرب میں واقع ہے۔ اسی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے دار العلوم دیوبند کا آغاز ہوا تھا اور دو محمودوں نے تعلیم و تعلّم کی بسم اللہ کی تھی۔ اس مسجد کے آس پاس درخت کا جھنڈ تھا اور ایک خطرناک قسم کا موطر تھا۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے چھتہ کی مسجد کا نام دیا جاتا ہے۔ چھتے کی مسجد ہمیشہ سے اولیاء و صوفیاء کے قیام کا مرکز بنی رہی ہے۔ اس کے حجرے بزرگانِ دین کے مقدس وجود سے کسی دور میں خالی نہیں رہے۔

اگر دار العلوم نہ ہوتا

دار العلوم دیوبند نے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں جو انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں وہ محتاج تعارف نہیں۔ برصغیر کی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ابنائے دار العلوم فکر و عمل کے ہر میدان میں قیادت و راہنمائی کے منصب بلند پر فائز رہے ہیں۔ فکر و عمل کا کوئی گوشہ ایسا ہوگا جو فضلاء دار العلوم کی حیرت انگیز جد و جہد کا رہین منت نہیں یا پھر یہ کہ برصغیر ہی نہیں بلکہ اکناف عالم میں فرزندان دار العلوم نے جانگداز مصائب برداشت کرکے دینی، ملی اور قومی خدمت کے پرچم نصب کئے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے فضلاء دار العلوم کی ہمہ جہت خدمات عظیمہ کا احاطہ تحریر میں لایا جانا ممکن ہی نہیں۔ بالاختصار عرض کیا جاسکتا ہے کہ اگر دار العلوم دیوبند نہ ہوتا تو؟

کھوئے ہوئے تھے۔ شاید وہ ان بندگانِ دیوبند کی صعوبتوں اور مشکلات کا اندازہ کر رہے ہوں جنہوں نے نامساعد حالات میں دین کے اس چراغ کو روشن کیا جس کی روشنی سے آج پورا عالم اسلام منور ہے۔

دوسری جانب ایسے حضرات بھی تھے جو اس عظیم سعادت سے محروم ہوگئے تھے۔ ان کے چہروں پر حسرتوں اور تمناؤں کی پرچھائیں صاف نظر آرہی تھیں۔ وہ ارمان بھری نگاہوں

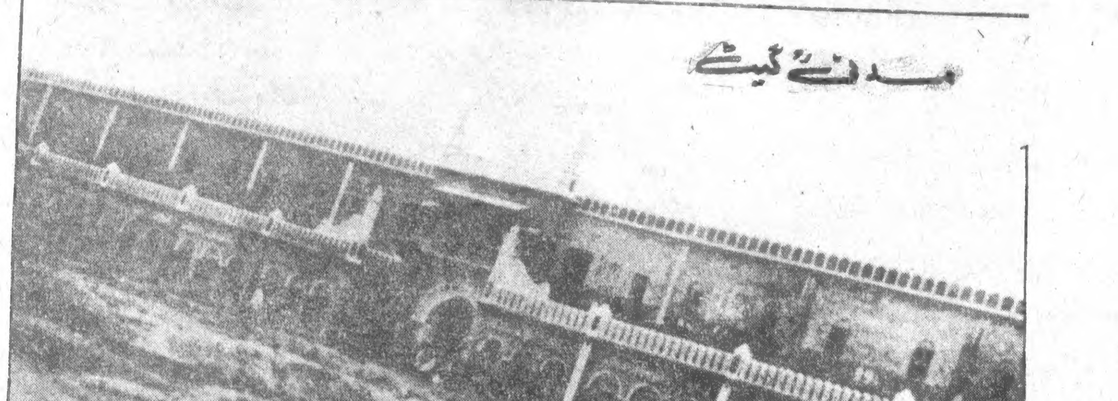

اس کے قریب ہی چونکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح کا دولت کدہ ہے اس لئے یہ گیٹ مدنی رح گیٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ گیٹ بھی سادگی اور سنجیدگی کا آئینہ دار ہے۔

سے اپنے عازم دیوبند ہونے والے ساتھیوں کو تک رہے تھے — پھر فضا نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی پرجوش صداؤں سے گونج گونج اٹھی۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب تشریف لا چکے تھے۔

پھر ٹرین کی رفتار اور دلوں کی دھڑکن ہم آہنگ ہوگئیں۔ اٹاری پہنچے تو قافلہ کے استقبال کے لئے مولانا محمود احمد رحمانی صدر مسلم اوقاف انڈیا اور دیگر علماء کرام موجود تھے۔ مولانا مفتی محمود اور دیگر علمائے کرام کو ہار پہنائے گئے۔ پھر چائے اور فروٹ سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ گاڑی نے یہاں سے حرکت کی تو اٹاری کا اسٹیشن نعروں کی زد میں تھا نعرۂ تکبیر اللہ اکبر۔ اکابر دیوبند۔ زندہ باد۔ اور ان کے زندہ باد ہونے کی علامت یہ سب اہل شوق تھے جو دیوبند کی جانب رواں دواں تھے اس کیفیت کے ساتھ کہ ؎

اٹھتے ہیں نقشِ قدم آج قدم سے پہلے

پھر انتظار کے لمحات مختصر ہوگئے — مسافتیں ختم ہوگئیں اور منزل سامنے آگئی۔ ٹرین — عارضی طور پر قائم کئے گئے اسٹیشن "دارالعلوم دیوبند ہالٹ" میں داخل ہو رہی تھی۔ یہاں پر استقبال کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی موجود تھے۔ وہیں نماز فجر ادا کی اور اس ادا کی ساتھ کردہ کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ پھر قافلہ باب الظاہر سے گزر کر احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ عارضی قیام نودرہ میں ہوا۔ اسی احاطہ میں وہ کنواں ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کنویں کے کنارے پر تشریف فرما ہیں اور اپنے دست اقدس سے پانی تقسیم فرما رہے ہیں۔

وہیں پر اجلاس کے نگران مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے رضاکاروں کی وساطت سے ہمیں اپنی اپنی قیام گاہوں پر روانہ کر دیا۔ دارالعلوم سے جلسہ گاہ ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی جسے ایک پختہ سڑک کے ذریعے ملایا گیا تھا۔ یہاں پر بنگلہ دیشی نمائندے بھی موجود تھے۔ عرب ممالک سے آئے ہوئے مہمانوں کا انتظام دارالعلوم کے خاص مہمان خانہ "القریش بلڈنگ جامعہ طبیہ" کے ہاسٹل میں تھا۔ جلسہ گاہ کے عجیب انتظامات حیران کن تھے۔ صرف ٹینٹوں کا ٹھیکہ بیس لاکھ روپے میں طے ہوا تھا۔ پنڈال کی لمبائی چھ سو فٹ اور چوڑائی پانچ سو فٹ تھی — تقریباً پانچ کلومیٹر تک اہل ایمان کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔ پنڈال کو سفید قناتوں اور رنگ برنگے سائبانوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ صرف پنڈال کا ٹھیکہ تین لاکھ روپے میں تھا۔ پنڈال بنانے کا کام ۳۱ فروری ۱۹۸۰ء کو شروع کیا گیا تھا اور ۱۵ مارچ تک صرف پنڈال تیار ہو سکا تھا۔ اس کام پر ڈیڑھ سو افراد مامور تھے۔ جگہ جگہ ٹرانسفارمر لگا کر پورے اجتماع کو بقعہ نور بنایا گیا تھا۔ صرف بجلی مہیا کرنے پر تقریباً چار لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ تیرہ سو ٹیوب لائٹ اور سات ہزار بلب پنڈال کو جگمگا رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر کا انتظام خوب تھا۔ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں آواز سنائی نہ دیتی ہو۔ آب رسانی کا انتظام بھی قابل داد تھا۔ ٹیوب ویل نصب تھے اور پائپوں کے ذریعے پانی دور دراز مقامات تک پہنچایا گیا تھا۔ سات سو ہینڈ پمپ اس کے علاوہ تھے۔ دو بڑے تالاب بنائے گئے تھے۔

خصوصی مچان

جلسہ سے ہٹ کر ایک گول طرز کا بیس فٹ اونچا مچان بنایا گیا تھا جس کی افادیت یہ تھی کہ اگر جلسہ میں روایت سے ہٹ کر کچھ ہو تو اس پر کھڑے ہو کر اندازہ کیا جا سکے کہ کس مقام پر انتظام میں خلل واقع ہوا ہے۔

کارروائی کا آغاز

۲۱ مارچ کو بعد از نماز جمعہ اجلاس کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ تا حد نگاہ عوام کے سر ہی سر نظر آ رہے ہیں۔ بالکل اسٹیج کے سامنے فضلائے دارالعلوم کی نشستیں ہیں۔ دائیں اور بائیں جانب مندوبین اور پریس رپورٹر بیٹھے ہیں۔ معزز مہمان عالم اسلام سے آئے ہوئے نمائندے۔ اسلامی ممالک کے سفراء اسٹیج پر تشریف فرما ہیں۔ اس نشست کی صدارت عالی جناب شیخ عبداللہ عبدالمحسن ترکی رئیس جامعہ اسلامیہ امام محمد ابن مسعود ریاض سعودی عرب) فرما رہے ہیں۔ اسٹیج سیکریٹری کی جانب سے عالم اسلام کے مشہور و معروف قاری جناب قاری عبدالباسط صاحب مصری کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ تلاوتِ کلام فرمائیں۔ قاری صاحب مائک پر تشریف لائے اور اپنی مسحور کن آواز کے ذریعہ قرآن پاک کا پیغام پیش کیا جس میں مسلمانوں کو متحد و متفق ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔

اب حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ تشریف لا چکے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں خطبہ استقبالیہ پیش فرما رہے ہیں۔ قاری صاحب نے بڑی خوبصورتی سے دارالعلوم کے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور دارالعلوم کی علمی ادبی۔ دینی۔ سیاسی خدمات کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش فرمایا۔ حکیم الامت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک سو سترہ سال قبل جس مدرسہ کی

پانچ کلومیٹر تک اہل ایمان کے سر ہی سر نظر آرہے تھے

ایثار و ایثار کے درخت کے نیچے دو مجذوبوں نے کی تھی آج کا یہ عظیم الشان اجتماع ان کی محنت و خلوص کا خلاصہ ہے۔"

قاری صاحب نے فرمایا:

"ہم اس ایمانی اور تاریخی اجتماع کے موقع پر جو برصغیر کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی بین الاقوامی تعلیم گاہ میں منعقد ہو رہا ہے جس میں تمام اسلامی ملکوں کے معزز مہمان، ارباب دانش جمع ہیں، میں سب سے پہلے حق جل مجدہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس چھوٹی سی بستی میں اتنی بڑی بڑی ہستیوں کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ اس کے بعد میرا فرض ہے کہ میں بحیثیت خادم جامعہ اپنی مجلس شوریٰ، اپنے ادارہ کے اساتذہ، شیوخ اور طلباء عزیز، مسلمانان ہند جمیع کارکنان ادارہ اور بالخصوص اجلاس صد سالہ کے مخلص کارکنوں کی طرف سے تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو دُور دراز کا سفر طے کر کے اس اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

مولانا نے اپنی تقریر میں مستقبل کے منصوبوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ:

"انشاءاللہ العزیز اس با مقصد اجلاس کے اثرات آئندہ نسلوں کے لئے دیرپا اور خوش آئند ثابت ہوں گے۔"

ان کے بعد صدر اجلاس شیخ عبداللہ المحسن ترکی نے صدارتی خطبہ پیش فرماتے ہوئے کہا:

"میں شاہ خالد اور شاہزادہ فہد بن عبدالعزیز کی طرف سے شاہی فرمان آپ کے نام لے کر حاضر ہوا ہوں۔

پیغام میں کہا کہ سعودی حکام اور عوام کو جو تعلق دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ سعودی عوام آپ سب کو انتہائی اور اعلیٰ مجاہدین کے روپ میں دیکھتے ہیں اور شریعت اسلامی کی تبلیغ کے لئے آپ حضرات نے جو قربانیاں دی ہیں اس کو وہ بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے اکابر دیوبند نے اپنی زندگیوں کو وقف کر رکھا ہے۔ انہوں نے آخر میں کہا کہ:

دارالعلوم دیوبند نے دین اسلام کے سلسلہ میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ہم ان پر مسرت کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو سلام و خلوص پیش کرتے ہیں اور سعودی حکومت کی طرف سے آپ کو ہر تعاون کا یقین دلاتے ہوئے شاہ خالد کی جانب سے دس لاکھ کا حقیر سا ہدیہ دارالعلوم کو پیش کرتا ہوں۔ خدا آپ کی حفاظت اور سلامتی فرمائے۔"

ان کی اس تقریر پر عوام نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور فضا کافی دیر تک نعروں سے گونجتی رہی۔

وزیر اعظم اندرا گاندھی کا خطاب

اسی نشست کے دوران ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے خطاب

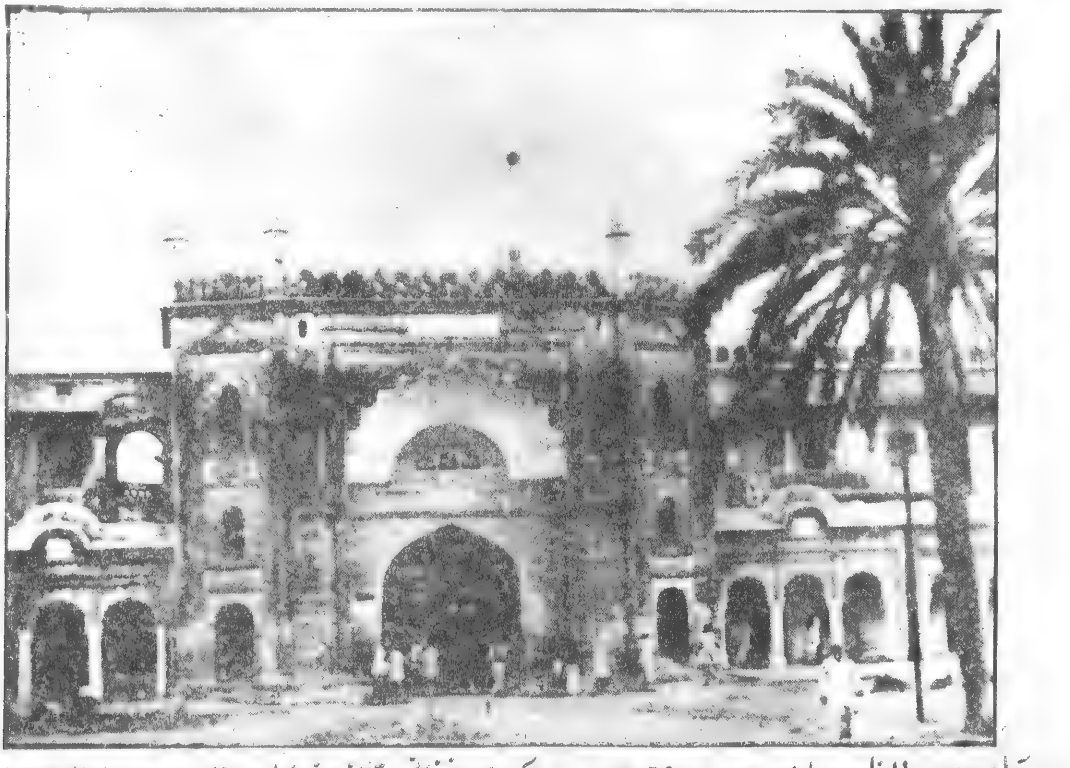

باب الظاہر: ۱۳۵۹ھ میں حکومت افغانستان نے پچاس ہزار روپے دارالعلوم دیوبند کو بھیجے تھے۔ اسی رقم سے مدرسہ کا دوسرا گیٹ تعمیر ہوا اور افغانستان کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے لئے اس گیٹ کا نام ظاہر شاہ کے نام پر باب الظاہر رکھا گیا۔

کرتے ہوئے کہا کہ:

جناب صدر، علماء کرام - دوسرے ملکوں کے سرکاری نمائندے اور معزز مہمان یہاں شرکت کر رہے ہیں - آپ دور دراز سے آئے ہیں میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں - اس چھوٹی سی جگہ پر اتنا بڑا انتظام معمولی بات نہیں ہے - آپ کا یہاں تشریف لانا اس بات کا ثبوت ہے کہ دارالعلوم کی عالم اسلام میں کیا قدر ہے -

وزیراعظم نے دارالعلوم کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

ہمارے قومی احیاء کے سلسلہ میں دارالعلوم نے زبردست کردار ادا کیا ہے اور اس کے فضلاء کی پوری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی ہے - انہوں نے کہا کہ اسلام ہمارے لئے کوئی بیگانہ مذہب نہیں ہے - ہندوستان کے کروڑوں عوام اس مذہب کو مانتے ہیں اور دوسرے اس کا احترام کرتے ہیں -

انہوں نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا:

۱۸۵۷ء کی تحریک بظاہر ناکام ہوگئی تھی لیکن اس کی وجہ سے ہماری قوم میں ثقافتی بیداری پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنی ذہنی اور سیاسی آزادی کے لئے متعدد ادارے قائم کئے جن میں ایک دارالعلوم دیوبند ہے جس کی بدولت ہمارے ملک کو آزادی نصیب ہوئی ہے"

ان کی تقریر کے بعد عراق اور دیگر کئی اسلامی ممالک کے نمائندوں نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا -

منظوم خراج عقیدت

اسی نشست میں دارالعلوم کے تین طلباء سٹیج پر نمودار ہوئے اور انہوں نے دارالعلوم کو منظوم خراج عقیدت پیش کر کے عوام میں ایک نیا جوش - ولولہ پیدا کر دیا - ملاحظہ فرمائیں:

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سرو یہاں منارہ ہے
خود ساقیٔ کوثر نے رکھی میخانہ کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں
مہتاب یہاں کے ذروں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے
یہ مجلس ہے وہ مجلس ہے خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیے جو صبح ازل سے قائم ہے
یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں محمود بت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے کس درجہ ثریا بار ہوئے
رومی کی غزل رازی کی نظر غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمال انور سے پیمانۂ فخر الدین یہاں
سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو
امداد و رشید و اشرف کا یہ قلزم عرفاں پھیلے گا
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے تا وسعت امکاں پھیلے گا

مفکر اسلام
مولانا مفتی محمود کا خطاب

۲۲ مارچ ۱۰ بجے صبح اجلاس کی نشست کا آغاز ہوا - سٹیج سے پھر مختلف اسلامی ممالک کے سربراہان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے - اب سٹیج سیکریٹری نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کو دعوت سخن دی - مفتی صاحب کا نام سنتے ہی فضا نعروں سے گونج اٹھی اور کافی دیر تک نعرے بلند ہوتے رہے - مولانا مفتی محمود نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

جناب صدر اجلاس، میرے محترم بزرگو دوستو اور مسلمان بھائیو!

مجھے دارالعلوم کی صد سالہ تقریبات میں شرکت کی جو سعادت حاصل ہوئی اس کے لئے میرے دل میں مسرت کے جذبات موجزن ہیں - محترم دوستو! دارالعلوم نے اس خطہ میں ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان اور بیرونی ممالک میں جو علم ہدایت کا نور پھیلایا ہے اس کا پورا عالم اسلام معترف ہے اور آج اگر یہ نور نہ ہوتا تو بظاہر اس دنیا کی ہدایت کا کوئی اور سبب نہ ہوتا - دارالعلوم دیوبند ان اکابر کا مرکز رہا ہے جن کے تاریخی کارناموں سے پوری دنیا واقف ہے - مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کاشمیریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور کتنے ہی ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اس ہدایت کو پھیلانے میں بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں - آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم کوئی چار دیواری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تحریک کا مرکز فکر ہے اور یہاں کے متعلقین میں اسلام کی اشاعت کا بے پناہ جذبہ ہے - مفتی صاحب نے کہا پاکستان سے بہت سے فضلاء اس اجلاس میں شریک ہوئے ہیں اور بہت بڑی تعداد ناساعد حالات اور قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے نہیں آسکی - اس لئے میں بزرگوں سے درخواست کروں گا کہ آپ اگر ہماری سرپرستی فرمائیں تو اس قسم کا ایک جشن پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی ہونا چاہیئے اور ہم اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں - مفتی صاحب نے کہا اس اجتماع کے اثرات پوری دنیا پر پڑیں گے -

انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں مدارس کی بہت بڑی تعداد اکابر کے مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک کوئی پندرہ ہزار طلباء ان مدارس سے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں - مفتی صاحب نے کہا پاکستانی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کی یہ بڑی خواہش ہے کہ ان کو بھی دارالعلوم دیوبند کی جانب سے اعزازی سندات دی جائیں کیونکہ وہ قانونی مجبوریوں کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند تعلیم حاصل کرنے نہیں آسکتے - اس لئے میری تجویز ہے کہ ان کی ضرور حوصلہ افزائی فرمائی جائے -

مفتی صاحب کے بعد بہت سے مقررین نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کو خراج تحسین

پیش کیا۔ پاکستان سے مولانا قاری محمد اجمل مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا حبیب اللہ رشیدی نے بھی خطاب کیا۔

صدر پاکستان
جناب جنرل ضیاء الحق
کا پیغام

مفتی صاحب کی تقریر سے قبل ہندوستان میں مقیم پاکستان کے نائب سفیر افضال محمود نے صدر پاکستان کا پیغام پڑھ کر سنایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات کے پُرمسرت موقع پر دارالعلوم کے رئیس اور ان کے رفقاء کار کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ دارالعلوم دیوبند بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کی عظیم اسلامی درسگاہ ہے۔ اکابر دیوبند نے اپنی بے لوث اور پرخلوص خدمت اسلام کے ذریعہ جہاں اسلامی ورثہ کی حفاظت فرمائی وہاں عظمت اسلام کی احیاء کے لئے بھی نمایاں کام کیا اور اسلام کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات میں جو غیر اسلامی عقائد رخنہ انداز ہونے لگے تھے ان کے خلاف جہاد مسلسل کر کے دارالعلوم دیوبند نے جاری رکھا اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی دارالعلوم دیوبند کی خدمات کی فہرست طویل ہے۔ مجھے واثق امید ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنی درخشندہ روایات کو برقرار رکھے گا اور ہندوستان کے ہی مسلمانوں کو نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کا کام جاری رکھے گا اسلام نے دنیا کو ایسا درخشندہ ورثہ عطا کیا ہے جو انسانیت کو موجودہ اخلاقی بحران اور روحانی انحطاط سے بچانے کے لئے راہ نجات ہے۔"

ان کے پیغام کے بعد مختلف پیغامات نشر ہوئے اور ... مختلف نشستوں سے علماء کرام، دانشور حضرات نے خطاب کیا۔

علمی نمائش

دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی بالائی منزل میں ایک اور چمن کھلا ہوا تھا۔ نادر کتب کی نمائش تھی۔ ہر فن کی کتابیں قرینے اور سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ غرض یہ ایک ایسا گلدستہ تھا جس میں ہر رنگ اور ہر خوشبو کا پھول موجود تھا۔ قرآن پاک کے قدیم اور نایاب زریں نسخے تھے جو اس عظیم الشان کتبخانہ کا حاصل محسوس ہوتے تھے۔ علم کا کوئی ایسا گوشہ نہ تھا جس سے متعلق یہاں کتاب موجود نہ ہو۔ مختلف موضوعات پر کوئی ڈیڑھ لاکھ کتابیں اس لائبریری میں موجود تھیں —— لائبریری کے مختلف حصے تھے۔ باب القاسم نانوتویؒ۔ باب الرشید گنگوہیؒ۔ باب المحمود الحسنؒ باب حسین احمد مدنیؒ۔ باب انور شاہ کاشمیریؒ۔ باب اشرف علی تھانویؒ۔ ذرا اس عظیم الشان کتب خانے کو دیکھتا پھر رشد و ہدایت کے چراغ نظروں میں گھوم جاتے اور جب اس انار کے درخت پر نظر پڑتی اور چھتہ کی مسجد سامنے آتی تو کیفیت کچھ اور ہی ہو جاتی۔ یہاں آج بھی وہ انار کا درخت موجود ہے جس کے نیچے

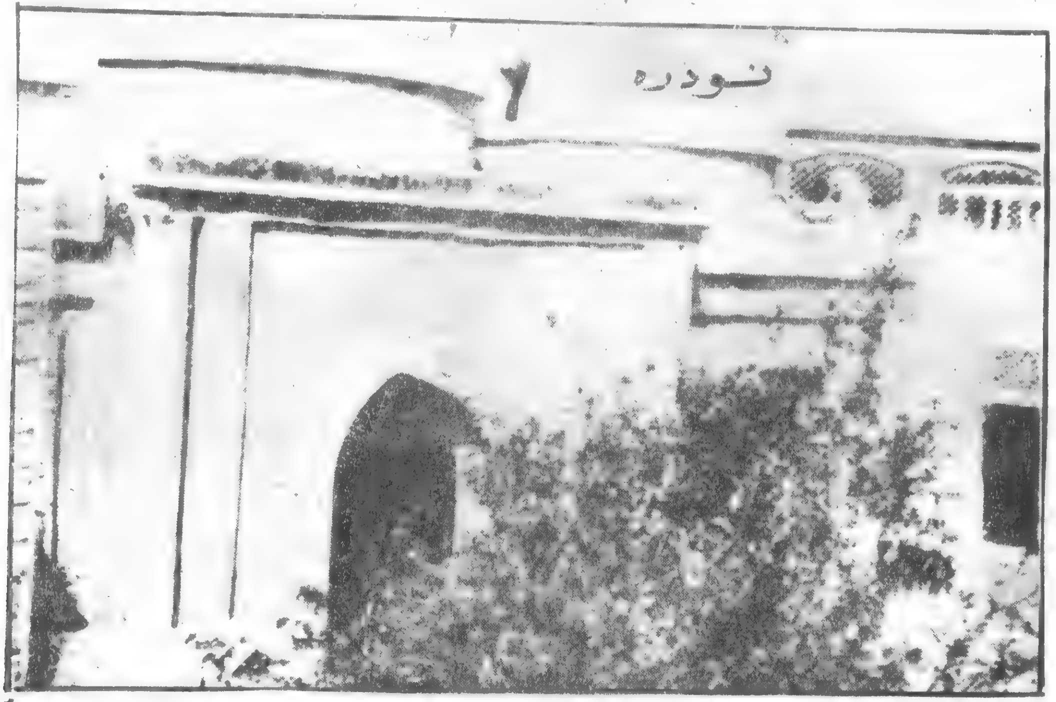

نودرہ مدرسہ عربی کی سب سے پہلی عمارت ہے۔ اسی عمارت کے بننے کے بعد مدرسہ عربی کا نام دارالعلوم دیوبند تجویز ہوا۔ یہ عمارت ۱۲۹۲ھ میں ۲۳ ہزار روپے کے صرفے سے تیار ہوئی۔ اس عمارت کی خط کشی خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

تعلیم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اللہ اللہ کہاں وہ ننھا سے پودا کہاں یہ تناور درخت، کہاں وہ ایک استاد ایک شاگرد اور کہاں یہ کہ دنیا کے گوشے گوشے سے تشنگانِ علم پیاس بجھانے چلے آتے ہیں۔

رومالِ مقدس

ایک کمرہ میں اس رومال مبارک کی زیارت کروائی جارہی تھی جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رومال مبارک کئی سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک سے مس رہا ہے۔ یہ دولت عثمانیہ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کو عطیہ تھا۔ ترکی کے سلاطین دو سال بعد اس کی زیارت کا شرف حاصل کرتے تھے۔

جنگ بلقان کے زمانے میں ترکی حکومت نے بطور ہدیہ یہ رومال ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم کی خدمات سے متاثر ہو کر عطا کیا تھا

حضرت مدنیؒ کا دسترخوان

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کا ذکر کتابوں میں پڑھا تھا آج مولانا اسعد مدنی کا دسترخوان دیکھا تو بالکل

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کیلئے

کا منظر تھا۔ آپ نے مہمانوں کے لیئے اپنے تمام مکانات کو خالی کرا لیا تھا۔ یہاں ہر قسم کی رہائشی سہولتیں موجود تھیں۔ لنگر تھا کہ ان کے فیضانِ عام کی طرح جاری وساری تھا۔

براہ کرم خط وکتابت
کرتے وقت اور منی آرڈر
کوپن پر اپنا
خریداری نمبر
ضرور لکھا کریں۔ شکریہ۔

آپ کی خدمت میں پیش پیش
عمدہ کام خوبصورت ڈیزائن
مہران گولڈن ہاؤس
ہر قسم کے
خوبصورت سیٹ - دیدہ زیب سیٹ
اور اعلیٰ قسم کے ڈیزائن کے خالص سونے کے زیورات بازار سے بارعایت آرڈر پر بنوانے کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں
- - - - - - - - -
پروپرائٹر: محمد بخش اینڈ منظور احمد
ریلوے روڈ، پڈعیدن
ضلع نواب شاہ۔ سندھ

مسجد چھتہ

یہ ہے وہ مبارک مسجد جہاں ۱۸۶۶ء میں "مدرسہ عربی" کا آغاز ہوا۔
اور یہ ہے وہ انار کا درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ایک محمود (ملا محمود) نے دوسرے محمود شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو پہلا سبق پڑھایا۔

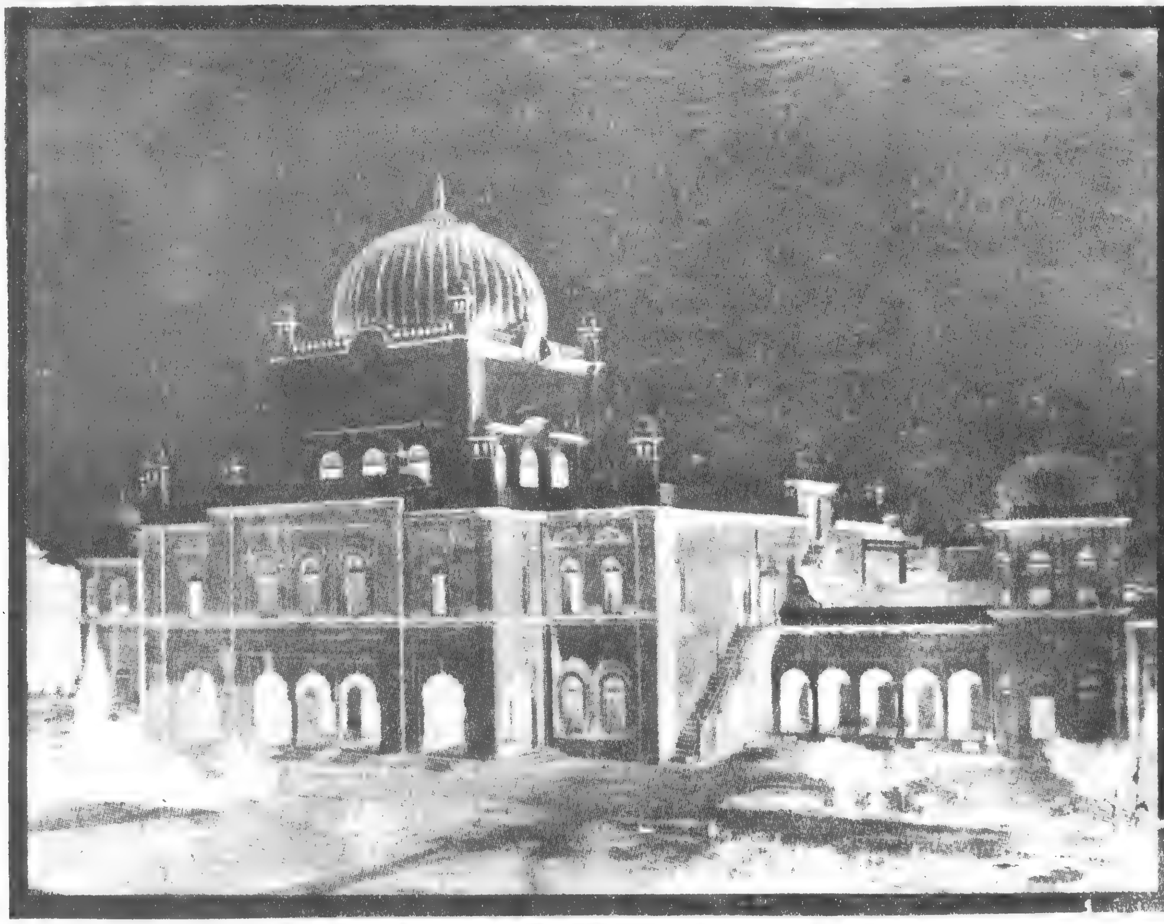

جشنِ دیوبند میں اندرا گاندھی کی شرکت

اتنا نہ طول دیجئے چھوٹی سی بات کو ——————!

جواد کاشمیری

دیوبند جانے والے پاکستانی وفد کے قائد مولانا عبد الرحمٰن سے انٹرویو

تیرھویں صدی ہجری کا آخری عشرہ قریب آیا تو مسلمانانِ ہندوستان کا بخت سو گیا۔ تخت چھن گیا، وقت بدل گیا، وقت کے تیور، حالات کے زاویے، ماحول کے زائچے، زمانے کی چال، الغرض سب کچھ ہی بدل گیا، مسلم سلاطین مقبروں میں جا بسے، اسلامی سطوت کا چراغ گل، منزل اوجھل، راستے گم، سفر دشوار اور رات تاریک ہو گئی۔

اسی تاریک دور کی بات ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا ایک مقام سے گزر ہوا، وہ اس بستی کو دیکھ کر فرمانے لگے:

"مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آتی ہے۔"

ایک اور شخص کو خواب آیا۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کعبۃ اللہ میں کھڑے ہیں۔ ان کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیس چشمے دریا بن جاتے ہیں اور پھر یہ دریا پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ اس گزرگاہ کا نام ہے دیوبند اور خواب دیکھنے والے بزرگ بانیٔ دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں۔

خواب دیکھنے والے بزرگوں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ علم کی یہ بستی بسانے کے لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ایک جگہ لکیر لگا کر درسگاہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے ان بزرگوں کے لئے اتنے عالمگیر ادارے کا قیام ایک خواب ہی تھا۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد سے کس کام کا آغاز ہونے والا ہے، اس حقیقت کا ابھی کسی کو ادراک نہیں تھا کہ انار کے جس درخت کے سایے میں چند نورانی وجود بیٹھ چکے ہیں ان کی بدولت

اس درخت کے نیچے سے آبِ حیات کا چشمہ پھوٹے گا جو ایک طرف گلشنِ اسلام کی آبیاری کرے گا اور دوسری طرف شرک و بدعت اور جہالت و الحاد کے طوفانوں کے رُخ موڑ دے گا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے زمین دیکھی اور حضرت نانوتویؒ نے اس زمین میں بیج بویا۔ بیج نے اپنی ایک باریک سی سوئی نکالی۔ محمود حسنؒ نے اس کی آبیاری کی یہاں تک کہ چھوٹی سی سوئی ایک تناور اور سرسبز شاداب درخت بن گئی۔ یہ درخت اپنے مضبوط تنے پر کھڑا ہو گیا۔ باغبان کو یہ پیارا لگا اور دشمن کے لئے اس کی شادابی موت کا پیغام بن گئی۔ یہ درخت خوش منظر ہو گیا۔ اس میں پھول کھلے۔ پھولوں سے گلدستے بنے اور یہ ہزاروں نہیں لاکھوں گلدستے دنیا میں تقسیم ہوئے۔ ان کی خوشبو سے کائنات معطر ہو گئی۔ یہ وہی خوشبو تھی جو سب سے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ نے سونگھی تھی۔

یا یہ کہ سید احمدؒ نے ایک مقام دیکھا ایسا مقام جو آندھیوں اور طوفانوں سے محفوظ تھا۔ قاسم نانوتویؒ نے یہاں ایک دیا جلایا تاکہ راہ چلنے والے بھٹک نہ جائیں ایک دیا جلا، پھر اس ایک دیئے سے لاکھوں دیئے روشن ہوئے یہاں تک کہ کائنات منوّر ہو گئی۔ مسافروں کو بھٹکنے کا ڈر نہ رہا۔

۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ کو علم کے اسی باغ اور روشنی کے اس چراغ دیوبند کا صد سالہ جشن منایا گیا۔ اس جشن میں دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے سے علماء و فضلاء نے شرکت کی۔ پاکستان سے علماء کے کئی قافلے گئے۔ لاہور سے دیوبند جانے والے قافلے کی قیادت جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمٰن نے کی۔ وہ دیوبند سے واپس آئے تو جشن دیوبند کے بارے میں بہت سی انہونی باتیں مشہور ہو چکی تھیں۔ ان باتوں کی توضیح کے لئے ہم نے ان سے رجوع کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن ایک بلند پایہ عالمِ دین اور روشن خیال بزرگ ہیں۔ انہوں نے اپنے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کی نگرانی میں تعلیم مکمل کی اور ۱۹۵۳ء ہی سے جامعہ اشرفیہ میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ موصوف مشکوٰۃ اور مسلم جیسی اہم کتابیں پڑھانے لگے۔ جامعہ اشرفیہ میں اب تک خطبہ جمعہ دیتے چلے آ رہے ہیں۔ لاہور کے تمام بڑے علماء جو خود کہیں جمعہ نہیں پڑھاتے وہ مولانا کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ مولانا مودودی آخر وقت تک نماز جمعہ کے لئے یہاں پہنچتے رہے اور مولانا امین احسن اصلاحی اب تک نماز جمعہ یہیں ادا کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے موصوف نہ صرف عوام بلکہ علماء کے لئے بھی قابلِ اعتماد ہیں۔ اس قابلِ اعتماد شخصیت سے ہم نے جو گفتگو کی وہ حسب ذیل ہے۔

اتنا نہ طول دیجئے!

غالباً آپ پہلے بار دیوبند گئے ہوں گے آپ نے دیوبند کے بارے میں کیا سُنا تھا اور اب کیسا پایا۔ آپ کے تصورات کیا ہیں؟

یہ میرا دیوبند کا پہلا سفر نہیں' دوسرا سفر تھا۔ پہلی بار میں ۱۹۵۷ء میں دیوبند گیا تھا اس وقت میرے دیوبند جانے کی وجہ یہ بنی کہ جلال آباد کی دینی درسگاہ' جامعہ جلال آباد کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا سمیع اللہ پاکستان تشریف لائے۔ انہوں نے جامعہ اشرفیہ میں قیام فرمایا۔ انہوں نے میرا درس سُنا تو جلال آباد میں تقریر کی دعوت دے دی۔ ان کے مدرسہ میں ہر وقت کم و بیش دو ہزار ملکی اور غیر ملکی طلبہ مقیم رہتے ہیں۔ میں نے یہ سوچ کر بھارت جانے کا ارادہ کر لیا کہ دیوبند اور جلال آباد کے علاوہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیارت بھی ہو جائے گی اور سچی بات یہ ہے کہ ان دینی اداروں سے زیادہ مجھے حضرت مدنیؒ کی زیارت کا شوق تھا۔

جلال آباد کا سالانہ اجلاس تھا اور حضرت مدنیؒ بھی اس اجلاس میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ نماز عصر سے لے کر مغرب تک مولانا مدنیؒ نے فضائل ذکر کے موضوع پر تقریر کی اور میں اس تقریر سے بے حد متاثر ہوا۔ میرے دل میں ان کی محبت کی جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ عشق و عقیدت کا شعلہ بن گئی۔ اس سفر میں مجھے دیوبند جانے اور مولانا مدنیؒ کا درس حدیث سننے کا موقع ملا۔ اب دوسری بار مجھے دیوبند جانے کا موقع ملا یہ سفر اس اعتبار سے انفرادیت کا حامل ہے کہ اب کے دیوبند میں لاکھوں علماء سے ملاقات ہوئی۔ جشن صد سالہ کی رونق دیکھی۔ دنیا بھر کے اکابر علماء کی تقاریر سنی۔ ان سے بات چیت کی۔ تبادلۂ خیال کیا اور ان سب باتوں سے دل کو راحت اور روح کو سکون ملا۔

اخبارات میں یہ خبر چھپی ہے کہ دیوبند کے صد سالہ جشن کا افتتاح بھارتی وزیر مسز اندرا گاندھی سے کرایا گیا۔ کیا اس سے دیوبند کا وقار مجروح نہیں ہوا۔ دیوبند کی تاریخ اور جنگِ آزادی کے مجاہدین کا کردار متاثر نہیں ہوا؟

بات صرف اتنی ہے کہ اندرا گاندھی دیوبند کے صد سالہ جشن کی تقریب میں آئیں اس سے زیادہ جو کچھ ہے افسانہ ہے جسے

بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کیلئے

دیوبند کے جشن میں اندرا گاندھی کی آمد کا پس منظر یہ ہے کہ جس روز جشن کا آغاز ہوا، اس روز پچھلے پہر مسز اندرا گاندھی نے دارالعلوم کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب کو ٹیلیفون کیا کہ میں آپ کے اس پروگرام میں شریک ہونا چاہتی ہوں، پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ پہلی نشست میں کئی حضرات تقاریر کر چکے تھے۔ افتتاحی تقریر خود دارالعلوم کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب نے کی۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا محمد سالم نے تقریر کی۔ دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن اور بہار کے امیر شریعت مولانا منت اللہ بھی

تقریر کر چکے تھے۔ ان کے بعد کسی بزرگ کی تقریر جاری تھی کہ اندرا گاندھی کا فون آیا۔ قاری محمد طیب صاحب اسٹیج چھوڑ کر فون سننے کے لئے گئے۔ فون پر اندرا گاندھی نے دیوبند آنے کی خواہش ظاہر کی تو قاری صاحب نے کہا:

میں اپنی مجلس شوریٰ سے مشورہ کر کے آپ کو جواب دوں گا۔

شوریٰ کے ممبر مولانا منت اللہ بھی مشورے میں شریک ہوئے اور دوسرے حضرات بھی۔ ابھی یہ میٹنگ جاری ہی تھی کہ اندرا گاندھی کا دوبارہ فون آیا۔ انہوں نے استفسار کیا کہ

"آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

قاری صاحب نے جواب دیا کہ ابھی میٹنگ جاری ہے۔ جوں ہی کوئی فیصلہ ہوا آپ کو اس سے آگاہ کیا جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے مسز اندرا گاندھی بول رہی تھیں۔ انہوں نے دارالعلوم کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب سے کہا:

میری خواہش ہے کہ مجھے دیوبند کے جشن میں آنے کی اجازت ملے۔ میں وہاں آ کر کوئی سیاسی بات نہیں کروں گی، نہ بھارتی وزیراعظم کی حیثیت میں شرکت کروں گی۔ میری شرکت ایک انسان کی حیثیت سے ہوگی اور میں اسلام کے بارے ہی میں کچھ کہوں گی۔ اسلام کے خلاف کہنے کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔ کہئے آپ کو اس بات پر کوئی اعتراض ہے، کیا آپ کسی غیر مسلم کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اسلام کے سنہری اصولوں کے بارے میں اظہارِ خیال کرے؟

اندرا گاندھی کی اس گفتگو کی روشنی میں مزید بحث وتمحیص بے سود تھی۔ مجلس شوریٰ کی میٹنگ برخاست کر دی گئی اور مسز اندرا گاندھی سے کہہ دیا گیا کہ وہ دیوبند آسکتی ہیں لیکن یہاں آ کر انہیں سیاسی گفتگو کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس پس منظر میں کون کہہ سکتا ہے کہ اجلاس کا افتتاح مسز اندرا گاندھی سے کرایا گیا۔ اگر اندرا گاندھی اجلاس کی پہلی نشست میں شریک ہوتیں تو اس الزام کو ذرا تقویت ملتی۔ لیکن اندرا گاندھی نے تو شرکت ہی دوسرے اجلاس میں کی۔ پہلا اجلاس صبح نو بجے سے نماز جمعہ تک جاری رہا۔ دوسرا اجلاس نماز جمعہ کے بعد شروع ہوا۔ اس اجلاس کے دوران مسز اندرا گاندھی وہاں آئیں۔ اس لئے اخبارات نے جو کچھ لکھا وہ خبر نہیں۔ الزام ہے بلکہ بہتان ہے۔ میں اس سلسلے میں صرف اسی قدر عرض کروں گا کہ

"اتنا نہ طول دیجئے چھوٹی سی بات کو"

آپ کے گھر میں آپ کا دشمن آنا چاہتا ہے۔ آپ کا اخلاق آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ اسے ڈانٹ دیں، دھتکار دیں اور کہدیں کہ تم ہمارے گھر مت آؤ۔ اخلاق ومروت کا تقاضا یہی ہے کہ اگر کوئی آپ کے پاس آنا چاہے تو اسے روکا نہ جائے بلکہ آنے دیا جائے۔ دراصل اندرا گاندھی کی یہاں آمد کے مخصوص مقاصد تھے۔ وہ مسلمانوں کے اس عظیم الشان اجتماع سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔ ڈیڑھ برس بعد ہندوستان کے عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ وہ ان انتخابات کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا یہاں آمد کا بڑا مقصد مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا۔ اس لئے دیوبند کے منتظمین نے انہیں پہلے کہدیا کہ وہ یہاں آ کر کوئی سیاسی بات نہیں کرسکتیں۔ گویا وہ اس اجتماع سے جو فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں وہ فائدہ نہیں اٹھا سکیں۔ البتہ انہوں نے وہاں جو کچھ کہا وہ اسلام کی حقانیت پر اسلام کے دشمن کی ایک خوبصورت گواہی تھی۔ اندرا گاندھی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

اندرا گاندھی کی تقریر

"اسلام ایک ابدی اور عالمگیر صداقت ہے اور برصغیر میں دیوبند اس ابدی صداقت کا گذشتہ ایک صدی سے محافظ اور پشتیبان رہا ہے۔ دیوبند اسلام کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے اور ہندوستان دیوبند کے حوالے سے۔ یہ ہندوستان پر اسلام اور دیوبند کا احسان ہے۔ میں دارالعلوم دیوبند کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے مجھے یہاں آکر اس مقدس تقریب میں اظہارِ خیال کی اجازت دی۔ میں بھارت کے مسلمانوں کو یقین دلاتی ہوں کہ حکومت ہندوستان مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو اور مذہب کی حفاظت کرے گی۔ مسلمانوں کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ بھارت پر ان کے تہذیبی اثرات کے نقوش ثبت ہیں۔ ہندوستان پر مسلمانوں کے اخلاق واعمال کی ایک چادر سی تنی ہوئی ہے اور مجھے تسلیم ہے کہ یہ چادر تقدس کی چادر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پیار، محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کریں اور مذہبی منافرت کو ختم کرنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کریں۔ بھارت میں مسلمان اگرچہ اقلیت میں لیکن میرے نزدیک یہ ایک معزز اقلیت ہے۔ اس کا اتنا ہی احترام ہے جتنا اکثریت کا! کیونکہ ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کسی اور قوم کا ہے"

مولانا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ جشن دیوبند میں صرف اندرا گاندھی ہی نہیں بلکہ بھارت کے دوسرے لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ ان لیڈروں میں جگ جیون رام اور راج نرائن بھی شامل ہیں۔

جگ جیون رام کی تقریر

ایک غیر مسلم لیڈر کی حیثیت سے مسٹر جگجیون رام کی تقریر کو زیادہ پسند کیا گیا۔ مسٹر جگجیون رام نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اسلام ایک دین، ایک انقلاب ایک دعوت اور ایک تحریک ہے۔ اس عالمگیر انقلاب کا سہرا داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے۔

آپؐ کے آنے سے پہلے دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، تاریکی ہی تاریکی تھی، ظلمت ہی ظلمت تھی، ظلم ہی ظلم تھا، قساوت ہی قساوت تھی، تباہی ہی تباہی تھی — انسانیت تڑپ رہی تھی، سسک رہی تھی۔ آدمی آدمی کا دشمن تھا۔ اخلاق، عمل، نیکی اور سعادت کا نام ونشان نہ تھا لیکن جب اسلام کا سورج طلوع ہوا، محمد مصطفیٰ کا ظہور ہوا، اندھیرے چھٹ گئے، ظلمتیں مٹ گئیں، تاریکیاں ہٹ گئیں، ظلم دُور ہو گیا انسانیت کو انسانیت آگئی، آدمی کو آدمیت آگئی۔ دھرتی نے شرافت کی چادر اوڑھ لی۔

دنیا پر اسلام کا بہت بڑا احسان ہے اور یہ احسان انسانیت فراموش نہیں کر سکتی۔ ہندوستان میں دیوبند نے اسلام کی دعوت کو عام کیا۔ آج اسلام کے کروڑوں پیروکار اس دھرتی پر سانس لے رہے ہیں۔ اس حوالے سے اہل اسلام صرف اہل [illegible] کے بھائی نہیں دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکاروں کے بھائی ہیں کہ اسلام نے آدمی کو بحیثیت آدمی برابر قرار دیا ہے، البتہ عمل کو اس نے عظمت کا معیار اور شرافت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اسلام کا اہل ہند پر یہ احسان ہے کہ اس نے کسی کو اچھوت قرار نہیں دیا۔ اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ بھارت کی سرزمین پر جب تک اسلام کا سورج چمکتا ہے کسی فرقے کو اچھوت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پاکستان زندہ باد

بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد کو بھی جشن دیوبند کے پروگرام میں تقریر کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں پاکستان کی بھرپور نمائندگی کی۔ مولانا عبدالقادر آزاد نے بتایا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے مخلصانہ کوششیں جاری ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جشن دیوبند میں شرکت کرنے والے علماء کو حکومت پاکستان نے خصوصی مراعات دیں اور روپے کے سلسلے میں علماء کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ انہوں نے جب اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے کی کوششوں کا ذکر کیا تو پچیس لاکھ انسانوں کے اس عظیم الشان اجتماع نے پاکستان زندہ باد، اسلامی نظام زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اتنے انسانوں کے اجتماع میں پاکستان کے حق میں اتنے تحسین آمیز نعرے لگائے گئے۔

وہ روسی عالم کی بات

کیا یہ درست ہے کسی روسی عالم دین نے اپنی تقریر میں سیاسی گفتگو کی اور اس گفتگو کے ضمن میں افغانستان کے بارے میں روسی مؤقف کو درست قرار دیا؟

یہ بات درست نہیں بلکہ واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب روس کے نائب مفتی کو اسٹیج سیکرٹری نے تقریر کی دعوت دی تو انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

دیوبند کے ایک قابلِ فخر فرزند کی حیثیت سے ہم آپ کی تشریف آوری کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ آپ جس ملک کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس نے ایک اسلامی ملک افغانستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر ملک سے آنے والے مندوب کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے اور اس کے وطن کو خراجِ تحسین پیش کریں، لیکن روس کے بارے میں ہم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ اس نے ایک مسلمان ملک کے خلاف ننگی جارحیت کر کے اپنا اعزاز کھو دیا ہے۔ اسٹیج سیکرٹری نے روسی عالم دین سے استدعا کی کہ وہ اپنی تقریر میں روس کے حوالے سے کوئی بات نہ کریں۔ اس وضاحت کے بعد روس کے نائب مفتی نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

"میں روس کا شہری ہوں، لیکن دیوبند کا بھی پرستار ہوں اور اس وقت میں اپنی دوسری حیثیت میں بات کروں گا، کیونکہ میرے ملک کا دوسرے ممالک سے کیا معاملہ ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں جو کچھ کیا یا کہا جا رہا ہے اس کا جواب روسی حکومت دے گی۔ میں یہاں روس کی طرف سے نہیں روسی مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کرنے آیا ہوں۔ عالم اسلام کے بارے میں روسی مسلمانوں کی سوچ وہی ہے جو یہاں جمع ہونے والے عالم اسلام کے علماء کی سوچ ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے مجھے ہر مسلمان اور اسلامی ملک سے محبت ہے۔

اس سے زیادہ جشن دیوبند میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ خدا جانے یہ بے پر کی کس نے اڑا دی کہ روس کے نائب مفتی نے روسی مؤقف کی حمایت کی ہے۔

کیا جشن دیوبند میں روسی جارحیت کے خلاف قرارداد منظور ہوئی؟

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ روس کے نائب مفتی کی تقریر سے پہلے کیا گفتگو ہوئی۔ اسی گفتگو کے ضمن میں روسی جارحیت کی مذمت بھی کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ روئے زمین کے علماء یہاں اکٹھے تھے۔ ان کی آواز عالم اسلام کی آواز تھی اور عالم اسلام کی آواز یہاں سے بلند کرنا ضروری تھا۔ اس آواز سے پاکستان، افغانستان اور عالم اسلام کے مؤقف کو تقویت ملی ہے۔ روسی جارحیت کے خلاف دیوبند کے اسٹیج سے قراردادِ مذمت کا مطلب یہ ہے کہ روس کے خلاف پوری دنیا میں اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا اور نہ اتنے بڑے اجتماع میں روس کے خلاف کوئی قراردادِ مذمت منظور کی گئی۔ اس اعتبار سے روس کے خلاف سب سے بڑا اجتماع منعقد کرنے کا اعزاز صرف دارالعلوم دیوبند ہی کو ملا اور اس نے روس کے خلاف قراردادِ مذمت پیش کر کے دنیا بھر کے علماء کے سامنے بالواسطہ طور پر پاکستان کے مؤقف کو پیش کیا اور پھر اس

موقف کو علماء کے سامنے اس عظیم اجتماع کے ذریعہ ایک عالمگیر تحریک بنا دیا کیونکہ اپنے اپنے وطن کو واپس جانے والے یہ علماء دیوبند کی یہ آواز اپنے ملک میں بھی جا کر بلند کریں گے۔

اندرا گاندھی سے درخواست

کہا جاتا ہے کہ جب اندرا گاندھی دیوبند پہنچیں تو اسٹیج پر ان سے مفتی محمود اور دوسرے وفد والوں نے دہلی جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اندرا گاندھی نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہا کہ صرف دہلی کیوں؟ آپ لوگ اجمیر بھی جائیں۔

یہ بات درست نہیں۔ جب اندرا گاندھی اسٹیج پر آئیں میں اسوقت بھی موجود تھا اور جب گئیں اسوقت بھی موجود تھا۔ مفتی محمود یا کسی دوسرے عالم دین نے ان سے ایسی کوئی درخواست نہیں کی۔

یہ درست ہے کہ ہمارے قافلے کے ایک دوست نے یہ بات کہی اور وہ تھے "دلی جیولرز" کے مالک عبدالخالق صاحب۔ انہوں نے اسٹیج پر اندرا گاندھی سے مخاطب ہو کر کہا:

دیوبند آنے والے حضرات کو دہلی جانے کے ویزے دیے جائیں، جس پر اندرا گاندھی نے کہا:

"آپ صرف دہلی نہیں اجمیر بھی جائیں جہاں جی چاہے جائیں۔ کسی کے لئے کوئی پابندی نہیں۔

عائشہ صدیقہؓ فنڈ

"دیوبند کے اس اجتماع میں آپ نے کیا محسوس کیا؟"

دیوبند کا اجتماع ایک دینی اور روحانی اجتماع تھا۔ اس ماحول کا ایک خاص اثر تھا جو میرے ہی نہیں مجھ جیسے دوسرے "شرکاء جشن" کے دل و دماغ کو بھی محسوس ہوا۔ جشن دیوبند کا انعقاد بذات خود دینی چیز تھی۔ علماء کے اس قدر بڑے اجتماع میں ہر شخص کے دل و دماغ پر ایک کیف و سرور سا طاری تھا۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے جھنجھوڑ رہا ہے اور کہتا ہے کیا دیوبند آ کر بھی تہجد نہیں پڑھو گے؟ میں فوراً اٹھ کھڑا اور نماز تہجد ادا کی۔ میرے خیال میں یہ علماء کے اس عظیم الشان اجتماع ہی کا اثر تھا جس میں ہزاروں نیک لوگ موجود تھے۔

خواب کا ذکر آیا ہے تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب کا بھی ایک خواب سن لیں۔ جشن دیوبند کے انتظامات کے موقع پر قاری صاحب نے خواب دیکھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں تم انتظامات کے سلسلے میں پریشان کیوں ہوتے ہو؟ یہ لو دس روپے اس فنڈ میں میری طرف سے بھی شامل کر لو۔"

قاری طیب صاحب بتاتے ہیں کہ میں نے یہ خواب دارالعلوم کے اساتذہ کو سنایا تو ہر استاد نے دس روپے جمع کرائے۔ طلباء نے سنا تو ہر طالب علم نے بھی دس روپے دیے، علیٰ ہذا القیاس جس شخص تک بات پہنچی وہ دس روپے دیتا چلا گیا۔ یہاں تک ام المؤمنین کے اس فنڈ میں تین لاکھ روپے جمع ہو گئے۔ یہ خدا کی غیبی امداد تھی جو دارالعلوم کے جشن کے سلسلے میں اچانک ملی۔

مفتی محمود کی ایک جھلک

مولانا عبدالرحمٰن نے جشن دیوبند کے واقعات کے ضمن میں بتایا کہ جب مفتی محمود اجتماع میں پہنچے تو لوگوں نے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے اور انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ مفتی محمود کی جھلک دکھائی جائے۔ اجتماع کے اصرار پر مفتی محمود کو اسٹیج پر ایسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں سے مجمع بآسانی انہیں دیکھ سکتا تھا۔

مفتی محمود نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے پوری قوم جدوجہد کر رہی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب پاکستان اپنے قیام کے مقاصد حاصل کرے گا۔

مولانا عبدالرحمٰن نے بتایا کہ اس اجتماع میں کم و بیش تیس مقررین نے خطاب کیا۔ پندرہ ہزار علماء کی دستار بندی کی گئی۔ دیوبند میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ صرف درجہ حدیث میں ڈیڑھ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم نے طلبہ کے قیام کے لئے بڑے اعلیٰ ہوسٹل بنائے ہیں اور مزید دو ہوسٹل قاسم پورہ اور قاسم نگر میں زیر تعمیر ہیں۔

ذرا ٹھہر جا مؤذن

اس موقع پر مولانا نے ایک دلچسپ بات یہ سنائی کہ جشن دیوبند میں شریک مہمانوں کو کھانا کھلانے والوں میں دارالعلوم کے بڑے بڑے بزرگ اور شیخ الحدیث حضرات بھی شامل تھے۔ میں جو بزرگ کھانا کھلا رہے تھے وہ خاصے معمر اور درویش سے انسان تھے۔ کھانے کے دوران ہی اذان ہو گئی۔ اذان سن کر ان پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا اور پھر اسے پڑھتے ہی چلے گئے۔

ذرا ٹھہر جا مؤذن مرا دل لرز رہا ہے
کہیں کعبہ گر نہ جائے تری مستیٔ اذاں سے

پاکستان میں جشن دیوبند

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے بتایا کہ جشن دیوبند کے بعد اسی طرز کا ایک بڑا اجتماع بہت جلد پاکستان اور "بنگلہ دیش" میں بھی منعقد ہو گا۔ اس کی تاریخ ابھی طے نہیں پائی لیکن اصولی طور پر فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ

دیوبند میں "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے

ابوعمار زاہد الراشدی

ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی اپنی ایک صدی کی جدوجہد پر نظر ڈالتے ہوئے اگلی صدی کے سفر کا آغاز کر رہی ہے

گذشتہ شمارہ میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں ایک مختصر اور سرسری رپورٹ پیش کر چکا ہوں۔ مجھے چونکہ تقریبات کے آخری دن دیوبند پہنچنے کا موقع ملا تھا اس لئے زیادہ تفصیلات قلمبند نہ ہو سکیں۔ غالباً دارالعلوم کا دفتر اہتمام تقریبات کی تفصیلی رپورٹ باضابطہ طور پر جلد جاری کر رہا ہے جس سے قارئین تقریبات کی تفصیلات سے آگاہ ہو سکیں۔ آج کی معروضات میں دیوبند، دہلی، سہارنپور اور بھارت کے دیگر شہروں میں حاضری کے موقع پر ذہنی تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

صد سالہ تقریبات کی اہمیت

دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات جہاں اس لحاظ سے اہمیت کی حامل تھیں کہ ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی اپنی ایک صدی کی جد و جہد پر نظر ڈالتے ہوئے اگلی صدی کے سفر کا آغاز کر رہی ہے اور اس نے تقریبات کے عنوان سے اپنے تمام رفقاء و انصار کو جمع کر کے نئی صف بندی کا اہتمام کیا ہے وہاں ان تقریبات کی اہمیت اس لحاظ سے بھی کم نہیں کہ تقسیم ہند کے بعد یہ بھارت میں مسلمانوں کا غالباً پہلا سب سے بڑا اجتماع تھا اور مسلمانوں نے بھارتی سیاست میں توازن کی قوت حاصل کرنے کے بعد اپنی اجتماعیت کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ اور ان تقریبات میں بیس لاکھ کے قریب مسلمانوں کے اجتماع کے ساتھ ساتھ دنیا بھر سے مسلمانوں کے مؤقر وفود کی شرکت سے بھارتی مسلمانوں کی عظیم قوت اور ان کے ساتھ عالم اسلام کی برادرانہ وابستگی کا پرجوش اظہار ہوا ہے۔

دیگر اداروں کا تعاون

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے سلسلہ میں دیگر مسلم اداروں نے بھی دارالعلوم سے بھرپور تعاون کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا سید محمد اسعد مدنی نے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے اجلاس کے اخراجات کے لئے کم و بیش دس لاکھ روپے جمع کر کے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی نے اس موقع پر اچھا خاصا دارالعلوم نمبر شائع کیا۔ اس کے علاوہ بھارت کے ایک درجن سے زاید ہفتہ وار اور ماہوار جرائد نے خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا جن میں تجلی دیوبند، عوام دہلی، ہجوم دہلی اور ندائے ملت لکھنؤ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند نے دیوبند میں بیرونی وفود کے اعزاز میں کھانے کی پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا اور دہلی میں بھی بیرونی مندوبین کو ایک پرہجوم عصرانہ دیا۔

دیوبند میں مولانا محمد اسعد مدنی کی قیامگاہ پر مہمانوں کا مستقل ہجوم رہا اور ان مہمانوں کے قیام و طعام کے علاوہ ان کے دیگر مسائل مثلاً پاسپورٹ ویزا وغیرہ کے سلسلہ میں بھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین مولانا سید محمد اسعد مدنی اور ان کے برادران مولانا محمد ارشد مدنی و مولانا محمد اسجد مدنی ہمہ تن معروف و متحرک رہے۔ دہلی میں جمعیۃ کا مرکز مہمانوں کے قیام و طعام اور راہنمائی کا مرکز بنا رہا۔ جمعیۃ علماء ہند نے جلسہ گاہ میں بھی سستے کھانے کے ہوٹلوں کا انتظام کیا اور مولانا محمد اسعد مدنی کی سربراہی میں قائم مالیاتی ادارہ "مسلم فنڈ" نے جابجا اسٹال لگائے جہاں مندوبین کی راہنمائی کے علاوہ دارالعلوم کے لئے عطیات وصول کرنے کا بھی اہتمام تھا۔ "مسلم فنڈ" مسلمانوں کو بلاسود قرضے فراہم کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے اور تازہ ترین رپورٹ کے مطابق پونے تین کروڑ روپے کی مالیت کے قرضے مسلمانوں کو مہیا کر چکا ہے۔ دیوبند میں "مسلم فنڈ" کی اپنی عمارت ہے جہاں "مسلم فنڈ" کا مرکزی دفتر ہے اور پورے نظام کو وہاں سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں طبی ادارہ "ہمدرد" کے طبی امداد کے کیمپ بھی دیکھے اور انڈین یونین مسلم لیگ نے بھی جلسہ گاہ میں طبی کیمپوں کا اہتمام کیا۔

ان کے علاوہ بھارتی وزیراعظم مسز

اندرا گاندھی کے فرزند مسٹر سنجے گاندھی کی طرف سے مندوبین کے لئے کھانے کا اسٹال تین دن تک لگا رہا جہاں سے ہزاروں مندوبین نے ہر روز بلا معاوضہ کھانا تناول کیا۔

اجلاس میں مسز اندرا گاندھی کی شرکت

پاکستان واپسی پر معلوم ہوا کہ یہاں بارگوں کو دارالعلوم کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں طعن و اعتراض کی اور کوئی بات نہیں ملی تو اجلاس میں مسز اندرا گاندھی کی شمولیت اور ۲۳ مارچ کے دن اجلاس کے انعقاد کو ہدف تنقید بنالیا اور اس سلسلہ میں کافی لے دے ہو رہی ہے جہاں تک ۲۳ مارچ کے روز صد سالہ تقریبات کے انعقاد پر اعتراض کا تعلق ہے یہ اعتراض اسقدر مہمل ہے کہ معترضین کی عقل کا ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ اس سے ۲۳ مارچ کی اہمیت میں کمی نہیں اضافہ ہوا ہے۔ ۲۳ مارچ کو قرارداد پاکستان منظور کر کے پاکستان کے باقاعدہ مطالبہ کا آغاز کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ دن ہمارے لئے قومی اہمیت کا حامل ہے اور اسی روز بھارتی مسلمانوں نے آزادی کے بعد پہلی مرتبہ اپنی قوت کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ اگر قرارداد پاکستان والے ۲۳ مارچ اور بھارتی مسلمانوں کے دیوبند میں عظیم اجتماع والے ۲۳ مارچ کے درمیان مثبت رشتہ تلاش کیا جائے تو یہ اس منفی جوڑ سے زیادہ روشن نظر آئے گا جسے کریدنے کی معترضین نے بے جا کوشش کی ہے۔

اسی طرح مسز اندرا گاندھی کی شرکت کو بھی اگر ہم اپنے نقطہ نظر اور مصلحتوں کی بجائے بھارت میں بسنے والے سولہ کروڑ مسلمانوں کی مصلحتوں اور نقطہ نظر سے دیکھیں تو ہمارا اعتراض ایثار اور برادرانہ مصلحت سے خالی نظر آتا ہے۔ بھارتی مسلمان جس حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ انہوں نے گذشتہ انتخابات میں مجموعی حیثیت سے مسز اندرا گاندھی کی کانگریس کا ساتھ دیا ہے اور مسز گاندھی سے کچھ توقعات وابستہ کی ہیں۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کا یہ اجلاس اس کی صد سالہ خدمات کے تذکرہ کے لئے منعقد ہوا ہے اور اس کی صد سالہ جدوجہد کا سب سے روشن پہلو آزادی کی جنگ میں اس کا مجاہدانہ کردار ہے اس لئے آزادی کی جنگ میں اس کے شرکاء کی شرکت و اعتراف کے بغیر دارالعلوم کی صد سالہ جدوجہد کا تذکرہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔

میرے خیال میں دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس میں مسز اندرا گاندھی، بابو جگجیون رام اور راج نرائن کی شرکت کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیئے اور اس کا صحیح محل بھی یہی ہے۔

بھارتی مسلمانوں کی حالت

بھارت میں مسلمانوں کی مجموعی صورت حال سیاسی طور پر پہلے سے بہتر ہے۔ اسوقت سیاسی طاقت کا توازن مسلمانوں کے ہاتھ میں نظر آتا ہے۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کو ساٹھ کے قریب نشستیں حاصل ہیں۔ کم و بیش ہر جماعت میں مسلمان موجود ہیں مگر زیادہ تر مسلمان اندرا کانگریس کے ساتھ ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند جو مسلمانوں کی سب سے قدیم اور مؤثر جماعت ہے عملی سیاست سے کنارہ کش ہے۔ لیکن اس کا زیادہ تر تعاون اندرا کانگریس کو حاصل ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے علماء نے بھی آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے جس کے سیکرٹری جنرل مولانا مظفر حسین کچھوچھوی اندرا کانگریس کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد کے امام سید عبداللہ بخاری نے بھی انتخابات میں اندرا گاندھی کی حمایت کی ہے۔

معاشی طور پر مسلمان کمزور نظر آتے ہیں۔ زیادہ تر مزدور پیشہ ہیں۔ ملازمتوں میں ان کا تناسب بہت کم ہے جس کی بڑی وجہ مسلم راہنماؤں کے نزدیک مسلمانوں میں جدید تعلیم کے رجحان کی کمی ہے۔ تجارت میں بھی مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے۔ البتہ اخلاقی و دینی لحاظ سے ان کی حالت بہت بلند ہے۔ دین کے ساتھ والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ عمل کا جذبہ اور رجحان بھی موجود ہے۔ دہلی۔ میرٹھ۔ دیوبند اور سہارنپور میں مساجد کی آبادی دیکھ کر دل بے حد خوش ہوا۔

مشرقی پنجاب میں بھی جہاں ۴۷ء کی دہشت خیزی کے بعد مسلمانوں کا وجود بالکل مٹ گیا تھا، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی مساعی سے ۱۹۵۶ء کے بعد مسلمانوں کی آبادی اور مساجد کی واگذاری کا عمل شروع ہوا اس کے نتیجہ میں اسوقت تک مشرقی پنجاب میں ساڑھے تین سو مساجد واگذار اور آباد ہو چکی ہیں۔ صرف لدھیانہ میں کم و بیش بیس ہزار مسلمان آباد ہیں اور پانچ مقامات پر جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے۔

الغرض دینی و سیاسی طور پر مسلمانوں کی مجموعی صورتحال اور پیش رفت حوصلہ افزا ہے۔

ملکی وسائل پر انحصار

بھارت میں چھ روزہ قیام کے دوران جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ بھارتی باشندوں کا ملکی وسائل پر انحصار کا اجتماعی رجحان ہے۔ وہاں میں نے سہل پسندی، نمائش اور بیرونی اشیاء کے فخر کے ساتھ استعمال کی وہ کیفیت نہیں دیکھی جو ہمارے ہاں پورے عروج پر ہے۔

چھ روز کے سفر میں دو غیر ملکی موٹریں نظر سے گذریں۔ ایک دیوبند میں جو لاہور کے ایک بزرگ لے گئے تھے۔ دوسری لدھیانہ میں جس کے بارے میں تحقیق نہ کی جا سکی۔ وہاں خود انڈیا کی تیار کردہ گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں اور وہ بھی بہت کم۔ سڑکوں پر کاروں کا ہجوم نظر نہیں آتا۔ شہروں میں

سائیکل رکشا زیادہ چلتا ہے۔ تھوڑا بہت آٹو رکشا بھی دکھائی دیتا ہے اور وہ بھی انڈیا کا بنا ہوا۔ جن بسوں پر سفر کیا وہ انجن اور باڈی کے لحاظ سے مضبوط تھیں ہماری طرح کے "سجے سجائے کاغذی بادام" سڑکوں پر دوڑتے نہیں دیکھے۔

لباس اور وضع قطع میں بھی یورپ کی نقالی کا رجحان ہماری بہ نسبت کم ہے بالخصوص سکھوں میں اپنی مذہبی وضع قطع پر سختی کے ساتھ کاربند رہنے کا رجحان نمایاں ہے۔ ہماری بھارت میں موجودگی کے دوران ایک سکھ لیڈر کا اکالی دل سے یہ مطالبہ اخبارات میں شائع ہوا کہ آئندہ انتخابات میں کسی ایسے سکھ کو اکالی دل کا ٹکٹ نہ دیا جائے جو داڑھی کترواتا ہو یا رنگتا ہو۔

بھارتی معاشرہ کمیونزم کے لئے تر نوالہ ثابت نہیں ہوگا۔

افغانستان اور کمیونزم

افغانستان کے مسئلہ پر اندرا حکومت روسی مداخلت کی اصولی مخالفت کے باوجود روس کے خلاف کوئی واضح مؤقف اختیار کرنے کو تیار نظر نہیں آتی لیکن بھارتی رائے عامہ کا رجحان اس سے مختلف ہے۔

مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے بھارتی باشندوں نے افغانستان میں روسی مداخلت کی مذمت کرتے ہوئے روسی افواج کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد کنونشن اور جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے بھی اپنے ایک جلسہ میں اسی مؤقف کا اظہار کیا اور دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر بھی اسی نوعیت کی قرارداد منظور کی گئی۔

کمیونزم کی پیش رفت پر بھی بھارتی رائے عامہ کا ردعمل مثبت نہیں ہے۔ بھارتی معاشرہ بنیادی طور پر مذہبی معاشرہ ہے مختلف مذاہب سے وابستہ لوگ اپنے اپنے مذہب سے اس قدر والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں کہ آپس میں بھی سر پھٹول سے باز نہیں آتے۔ آئے دن فرقہ وارانہ فسادات اس پر واضح ثبوت ہیں۔

ان حالات میں بھارتی معاشرہ کے بارے میں یہ قیاس درست نہیں ہے کہ وہاں کمیونزم قدم جما سکتا ہے یا بھارتی باشندوں کے دل میں کمیونزم کے بارے میں کوئی نرم گوشہ موجود ہے۔ مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی اور بدھ مت آپس میں انتہائی اختلاف رکھنے کے باوجود نفس مذہب کے تحفظ کے لیے ایک ہی جیسا جذبہ رکھتے ہیں اور افغانستان کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے اجتماعات میں اس کا کھلم کھلا اظہار ہوا ہے۔ اس لئے یہ بات اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ بھارتی معاشرہ کمیونزم کے لئے تر نوالہ ثابت نہیں ہوگا۔

بقیہ: انٹرویو

اجلاس ایک سال بعد ہوگا، پاکستان میں ہونے والے بڑے اجتماع سے پہلے جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بھی ایک اجتماع ہوگا جس میں بڑے اجتماع کے انتظامات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ مطلوبہ اجتماع اقبال پارک میں منعقد ہوگا۔ اس میں شرکت کے لئے پورے عالم اسلام سے علماء کو دعوت دی جائے گی۔ بشکریہ ہفت روزہ "چٹان"

بقیہ: اداریہ

مصر کے صدر انور السادات نے پورے عالم اسلام اور اپنے سابقہ حلیفوں کو نظرانداز کرتے ہوئے امریکہ پر جس قدر اندھا اعتماد کیا اور اپنے آپ کو غیر یقینی حالات کے جن شعلوں کے حوالے کیا وہ اظہر من الشمس ہے، اس کے برعکس امریکہ نے جو کچھ مصر کو دیا اسے بھی کون نہیں جانتا۔ اسرائیل پہلے کی طرح دندناتا ہے اور جناب سادات سوائے امریکہ سے فریاد و فغاں کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے۔

امریکہ کے لئے اب ایک ہی راستہ ہے کہ وہ منافقت اور دورخی کو چھوڑ کر منصفانہ طرز عمل اختیار کرے۔ اس کے علاوہ امریکہ کی ساکھ عالمی برادری میں بالعموم اور عالم اسلام میں بالخصوص بحال نہیں ہو سکتی۔ رہا روس کی جارحیت کا معاملہ تو اسے اپنے ظلم و بربریت کی سزا جلد یا بدیر مل ہی جائے گی۔ جن افغانوں کو روس نے حلوہ سمجھ کر کھانے کی کوشش کی تھی وہ اس کے لئے بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئے اب اسے ان سے دامن چھڑانا مشکل ہو رہا ہے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

جلسہ دستار فضیلت

مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۰ء بروز منگل بمقام مدرسہ جامعہ دارالفیوض، کندہ کوٹ ضلع حبیب آباد سندھ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوگا جس میں اکابر علماء کرام اور بزرگان دین خطاب فرماویں گے۔ اس موقعہ پر مدرسہ سے فارغ شدہ طلبہ کرام کی دستار بندی بھی ہوگی۔ مسلمانوں سے شرکت کی اپیل ہے۔

دعائے صحت کی اپیل

انجمن ربانیہ حضرو گارڈ (ضلع اٹک) کے مہتمم ممتاز عالم دین مولانا الحاج مفتی حکیم عبدالحئی صاحب گزشتہ دنوں ویگن کے حادثہ میں شدید زخمی ہوگئے۔ تمام احباب سے حضرت مدظلہ کی صحت کے لئے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی

اکابر دارالعلوم دیوبند کیا تھے؟

اکابر دیوبند کیا تھے ؟ اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے ، سلف صالحین کا نمونہ تھے ، اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے ، لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اسلئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے کشید تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں ۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے ۔

۱۔ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپیدا کنار تھے ۔ ان کی تصانیف آب حیات تقریر دلپذیر قاسم العلوم اور مباحثہ شاہجہانپور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں ۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ :

"میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ
مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ
سمجھ میں آئی ہے ۔"

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ : "اب بھی مولانا (نانوتویؒ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی

> اکابر دیوبند سلف صالحین کا نمونہ تھے ۔ وہ اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے جسے الفاظ کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جاسکتا ہے

نہیں ، اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے ۔"

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد بالخصوص جب اس پر عقلیات کا غلبہ ہو عموماً علم و فضل کا زبردست پندار ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں :

"جس طرح صوفیوں میں بدنام
ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ
بھی مجھ پر لگا ہوا ہے ۔ اس لئے
پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے
اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم
کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا ۔"

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ :

"حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ
جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے
اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے
تھے ۔

۲۔ یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا تھا ۔ انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بنا پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے "ابو حنیفۂ عصر" کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے مشہور تھے ۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامیؒ کو "فقیہ النفس" کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے حضرت گنگوہیؒ کو فقیہ النفس فرمایا کرتے تھے ۔ ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ واقعہ سناتے ہیں کہ :

"حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلبہ کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلبہ کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔

۳۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ! لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ:

ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے اور حدیث "فقیہ واحد أشد علی الشیطٰن من ألف عابد" پڑھی اور اس کا ترجمہ کیا کہ:

"ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔"

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا: یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ کرنا بھی صحیح نہ آئے اسکو وعظ کہنا جائز نہیں"

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہیئے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں اشتعال انگیز بھی تھا، لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنیئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سن کر:

مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں، مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت" چنانچہ وعظ تو پہلے ہی مرحلے پر ختم فرما دیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں" انہوں نے فرمایا کہ أشد کا ترجمہ أثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ أضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔" مولانا رحمۃ اللہ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے یأتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علیّ" (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے)۔ کیا یہاں بھی اضرّ (زیادہ نقصان دہ) کے معنی میں ہے؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

۴۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علمائے دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات

> حضرت شیخ الہندؒ تقریر فرما رہے تھے، انہوں نے
>
> علماء کے آنے پر اس خیال سے اپنی تقریر روک دی
>
> مبادا یہ سمجھا جائے کہ یہ تقریر اپنا علم جتانے کیلئے ہو رہی ہے

میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اسوقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرتؒ کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے؟ اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا۔ اسوقت تک وہ علماء جنکو حضرت تھانویؒ شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے۔ جب حضرتؒ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلے کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا۔ تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ

"حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟"

شیخ الہندؒ نے جواب دیا: "دراصل یہی خیال مجھے بھی آگیا تھا۔"

حضرت علیؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علیؓ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنا پر اس یہودی سے الجھا تھا۔ اگر تھوکنے کے بعد کوئی اور کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ فرما دی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لئے ہو رہی تھی، لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی، اس لئے اسے روک دیا۔

دراصل بات یہ ھے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں، البتہ محمود خاکسار ھی کا نام ھے

حضرت مولانا کے عجز کو دیکھ کر حضرت مولانا اجمیری دنگ رہ گئے

۵۔ مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سُن رکھی تھی۔ ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیو بند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی تو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملنا ہے"۔

وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے آرام سے بٹھایا اور کہا کہ "ابھی ملاقات ہو جاتی ہے"۔ مولانا اجمیریؒ منتظر رہے اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولاناؒ کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ "حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو اطلاع دیدیجیئے"۔ ان صاحب نے فرمایا "آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں"۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں آپ انہیں اطلاع کر دیجیئے"۔ ان صاحب نے فرمایا۔ انہیں اطلاع ہو گئی ہے۔ آپ کھانا تناول فرمالیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ مولانا اجمیری نے کھانا کھایا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری برہم ہو گئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں، میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے، ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی، اس پر وہ صاحب بولے کہ:

"دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں، البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے"۔

مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہند کیا چیز ہیں۔

۶۔ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی مجلس میں نقل کرتے ہیں کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالیؒ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو سچا سمجھتا ہے" یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامت نے فرمایا: "میں کہتا ہوں کہ میرے زمانہ میں مولانا انور شاہ صاحب کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقعہ پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں بھی فرمایا کہ

"جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے"۔

تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا:

"آپ کو چاہیئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے"۔

اس وقت بڑے علماء مجمع میں تھے۔ سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے، اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے فرماتے ہیں:

"ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے۔

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی: "جج صاحب! لکھیئے۔ میں نے تیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکہ سے کام لیا ہے ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں ورنہ میں ان سے کتاب لے کر پڑھتا ہوں۔

چنانچہ شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم یہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

"جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالبعلم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا"۔

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا، دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند وبانگ

دعوے کرتا، لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعتاً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبیؐ کے مظہر تھے کہ:

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی
اعین الناس کبیرا۔

حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لے جا رہے تھے۔ بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا نہیں میں طالب علم ہوں۔ اس نے کہا آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ "تم غلط سمجھے ہو، اس کی یہ شکل نہیں ہے۔" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیے۔ دس قرآن سے، دس تورات سے، دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری ان کی تقریر سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا، نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔

۔۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہم نے بارہا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں ملا حسن پڑھتا تھا تو ایک روز اس کی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا۔ وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو انکا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا۔ میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانے کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا "ملا حسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا۔" وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا کہ "عبارت پڑھیئے" میں نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ ہی میں روک کر فرمایا: اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہو گا" اور پھر بعینہٖ وہی اشکال دہرا دیا جو میرے دل میں تھا۔ میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور استحضار کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے۔

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتدا دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبۂ دیوبند کے باشندے تھے ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملا محمود صاحبؒ تھے۔ راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملا محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہؒ پر جو حاشیہ حضرت عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلویؒ کے نام سے چھپا ہوا تھا اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے مجھ سے لکھوایا تھا۔ ان کی سادگی کا یہ حال تھا کہ طلبہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام و نمود کی خواہشات سے اللہ تعالٰی نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے علم و فضل کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ حضرتؒ طالب علمی کے زمانے ہی سے اپنی قوت استعداد، ذہانت و فطانت اور علم و عمل میں معروف تھے لیکن جب ۱۳۰۰ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے اور دستار بندی کے لئے دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ منعقد کرنے کی تجویز ہوئی تو حضرت تھانویؒ اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ: "حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی جائے گی حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرما دیا جائے ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائق کو سند دی گئی۔

حضرت نانوتویؒ کو یہ سن کر جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ باہر جاؤ گے تو تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی، جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔

سادگی اور مخلوق خدا کا خیال

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے جا رہا تھا۔ بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! جی

تم کہاں رہتے ہو؟"

انہوں نے کہا: "بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔"

اس نے کہا "او ہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں" اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا: "اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھ لے ہیں۔"

اس نے کہا: "واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسے کہو؟"

مولانا نے فرمایا "میں ٹھیک کہتا ہوں۔"

وہ بوڑھا ان کے سر ہوگیا، اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا کو جانتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا: بھلے مانس مولوی مظفر حسین رح یہی ہیں۔" اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

انہی مولانا مظفر حسین صاحب رح کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے۔ جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے عموماً چیزیں غلے کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے تھے۔

یہی حال دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا تھا۔ علم و فضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی "عزیز الفتاویٰ" عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال کہ وفات کے وقت بھی ایک استفسار ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا لیکن سادگی، تواضع اور خدمتِ خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں۔

"کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحبِ کرامات صوفی اور صاحبِ نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورتمندوں کا بھی خود لاتے۔ بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھری دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔"

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں۔ ان کے رعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے، حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر کے آغاز میں مولانا نے فرمایا کہ:

"مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی۔"

ہم نے کہا "انشاء اللہ ضرور۔"

اب جو روانگی ہوئی تو مولانا نے اپنا ساتھیوں کا سامان خود اٹھا لیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا "نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے۔" پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لئے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل و ذکر میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے یہاں تک کہ حضرت کے پاؤں پر ورم آجاتا اور حسی تو قدمت قدماہ کی سنت نبویہ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کی اثر سے حضرت رح کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا۔ اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولانا کفایت اللہ صاحب سے کہلوایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے۔ حضرت رح کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا، اس لئے خوشی سے منظور کر لیا۔ تراویح ختم ہوگئی اور اندر حافظ صاحب لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہند رح لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے۔ انہوں نے ہوشیار ہو کر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہند رح تھے۔ ان کی حیرت و ندامت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے، لیکن مولانا فرمانے لگے کہ "نہیں بھائی کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں ذرا راحت آجائے گی۔

بقیہ: رواں دواں

پر بسیں باقاعدگی سے چلتی ہیں۔ شہر میں چلنے والی تمام بسیں اچھی حالت میں ہوتی ہیں۔ البتہ ایک بات جو محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ بسوں میں خواتین کے لئے علیحدہ پارٹیشن نہیں تھا بلکہ جہاں چاہیں بیٹھ سکتی ہیں۔ مگر اس کے باوجود کہ خواتین کا علیحدہ پارٹیشن نہیں ہے خواتین کے ساتھ اوباش طبقے کا ایک بھی بدتمیزی کا واقعہ سننے میں نہیں آتا۔ ہندو اور سکھ خواتین گو کہ بے پردہ ہوتی ہیں مگر بے پردگی میں بھی آوارگی یا بے ہودگی کا کوئی پہلو نمایاں نہیں ہوتا۔ بیرون ملک میں عارضی یا مستقل طور پر رہنے والے پاکستانی پاکستان کے سفیر ہوتے ہیں۔ اپنے ملک کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بھارت جانے والی پاکستانی خواتین کے بے حجاب رویہ سے پاکستان کے بارے میں بھارت کے لوگ اچھا تاثر نہیں

پاکستانی سفارت خانے کی ناقص کارکردگی کے باعث بھارت میں

پاکستان کو جنگ پسند سمجھا جاتا ہے

نئی دہلی میں پاکستانی سفارتخانہ کی کارکردگی انتہائی حدتک گر چکی ہے ـ بھارتی پریس سفارتی عملے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ـ فروری کے اوائل میں پاکستانی سفیر مقیم دہلی نے دہلی کے انگریزی میگزین کو جو انٹرویو دیا تھا اس میں متعلقہ میگزین نے سفیر موصوف سے پالیسی میٹر سے ہٹ کر کئی غلط باتیں منسوب کر دیں ـ بھارتی عوام نے انٹرویو سے یہ تاثر لیا کہ پاکستان امریکہ سے حاصل کرنے والا متوقع اسلحہ یقینی طور پر بھارت کے خلاف استعمال کرے گا ـ اور یہ کہ پاکستان سراسر جنگ پسند ہے ـ بعد میں سفیر موصوف نے متعلقہ میگزین کو وضاحتی خط بھی لکھا جو صرف اسی میگزین میں شائع ہوا جبکہ مسخ شدہ انٹرویو بھارت کے تمام اخبارات ورسائل میں شائع ہوا تھا ـ

پاکستانی سفارتخانہ کے متعلق بھارتی مسلمانوں کو کئی شکایات ہیں ـ ان میں سے بڑی شکایت تو یہ ہے کہ سفارتی عملہ پاکستان آنے کے خواہشمند بھارتی مسلمان امیدواروں کو ویزہ دیتے وقت سخت پریشان کرتا ہے ـ سفارتی عملے کے اس ناروا سلوک کی وجہ سے بھارتی مسلمان سخت کبیدہ خاطر ہیں ـ

ریڈیو پاکستان کی نشریات بھارت میں شاذونادر ہی سننے کو ملیں گی ـ لاہور ریڈیو کی نشریات صرف دہلی تک سُنی جا سکتی ہیں جبکہ دوسرے ریڈیو اسٹیشن بالکل سنائی نہیں دیتے ـ ریڈیو پاکستان کے لاہور، راولپنڈی اور بہاولپور اسٹیشن کی نشریات اگر شارٹ ویو پر شروع کر دی جائیں اور میڈیم ویو کے اسٹیشن کو مزید طاقتور بنا دیا جائے تو ریڈیو پاکستان بھارت میں پاکستان کے ایک اچھے تعارف کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے ـ

بھارت میں جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے جذبہ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ خودداری بھی بھارتی عوام میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ـ خودداری کی زندہ مثالیں بھارت کی بنی ہوئی مصنوعات ہیں ـ زندگی کے کسی شعبہ میں چلے جائیں آپ کو بھارتی چیز ملے گی ـ درآمدات چونکہ سرکاری طور پر بند ہیں اس لئے عوام کوشش کرتے ہیں کہ چیز خود تیار کی جائے، اس سے نہ صرف زرمبادلہ بچے گا بلکہ خود کفالت بھی ہوگی ـ ٹرک، بسیں، منی بسیں ـ وزن اٹھانے والی منی وین ـ آٹو رکشا ـ سکوٹر ـ موٹر سائیکل ـ زگ زیگ سلائی مشین ـ نٹنگ مشین ـ دستی گھڑیاں ـ الیکٹرانک کلاک ـ سادے کلاک ـ سائنسی آلات ـ زرعی آلات ـ ٹینک ـ توپیں ـ ہیلی کوپٹر ـ چھوٹے ہوائی جہاز ـ میزائل ـ ریلوے انجن ـ ٹیپ ریکارڈ ـ ریڈیو ـ ٹی وی ـ کاریں ـ تمام قسم کے فینسی بلب ـ گراموفون وغیرہ ـ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو بھارت میں بھارتی خام مال سے تیار کی جاتی ہیں اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ پاکستان میں یہ تمام چیزیں درآمد کی جاتی ہیں ـ اندازہ لگائیے کہ اگر یہ تمام اشیاء پاکستان میں پاکستان کے خام مال سے تیار ہوں تو ہر سال اربوں روپے کے زرمبادلہ کی بچت ہو ـ یہ بات باعث شرم ہے کہ بھارت پاکستان کے ساتھ آزاد ہوا تھا مگر بھارت نے جمہوریت، صنعت اور زراعت تینوں میں سرعت سے ترقی کی ہے جبکہ پاکستان اس سے بیس سال پیچھے ہے ـ گھی ـ آٹا ـ کپڑے کے نرخ پاکستانی نرخوں سے ملتے جلتے ہیں مگر کپڑا معیاری نہیں ہے، اس کے مقابلے میں پاکستان کا کپڑا بین الاقوامی معیار کا ہے ـ

دُور دراز کے سفر کے کرایے پاکستان ایسے ہیں البتہ اندرون شہر چلنے والے ٹرانسپورٹ کے کرایے نسبتاً سستے ہیں ـ دہلی شہر میں چھ میل کا سفر صرف چالیس ہندوستانی پیسے میں طے کیا جا سکتا ہے رکشا اور ٹیکسی کا کرایہ بھی معقول ہے ـ دہلی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے ساتھ ساتھ نجی اداروں کی بسیں بھی اندرون شہر چلتی ہیں ـ (D.T.C) دہلی ٹرانسپورٹ اور نجی ٹرانسپورٹ دونوں میں مسافروں کے سوار ہونے اور اترنے کا طریقہ قابل تقلید ہے ـ مسافر پچھلے دروازے سے چڑھتے اور اگلے دروازے سے اترتے ہیں ـ بس سٹاپ پر ہر دس منٹ بعد بس میسر آتی ہے ـ دہلی شہر کا کوئی علاقہ محلہ یا آبادی ایسی نہیں ہے جس کا رابطہ بذریعہ بس کسی دوسرے علاقے سے نہ ہو ـ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ بسوں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں ـ شہر کے بعض روٹ ایسے ہیں جہاں بسیں خسارے میں چلتی ہیں مگر اس کے باوجود عوام کی سہولت کے لئے اس روٹ

طلباء کی سرگرمیاں

محمد ادریس

مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس ۱۴-۱۵ مئی کو لاہور میں طلب کر لیا گیا

جمعیۃ طلبہ اسلام آزاد کشمیر کا ایک روزہ کنونشن ۱۷ مئی کو مدرسہ تعلیم القرآن پلنڈری میں ہوگا۔

۱۶ اپریل کو جمعیۃ طلبہ اسلام کا ایک وفد خانپور کانفرنس میں شرکت کے لئے لاہور سے روانہ ہوگا۔

۶ مئی کو لاہور میں شہدائے بالاکوٹ کانفرنس ہوگی۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے تنظیمی صورتحال اور موجودہ صورتحال میں جمعیۃ کی پالیسی طے کرنے کے لئے مرکزی مجلس عمومی کا اجلاس ۱۴-۱۵ مئی بروز بدھ جمعرات کو شیرانوالہ گیٹ لاہور میں طلب کیا ہے جس میں تنظیمی صورتحال کے جائزہ کے ساتھ مرکزی تنظیم میں تبدیلیاں کی جائیں گی حکومت کی تعلیمی پالیسی کے بارے میں واضح موقف اختیار کیا جا سکے گا۔ اس کے علاوہ مالیاتی شعبہ کے استحکام اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل اور پالیسی مرتب کی جائے گی۔ اس کے علاوہ دیگر امور بھی زیر بحث آئیں گے۔

مرکزی مجلس عمومی جمعیۃ طلبہ اسلام کا پالیسی ساز ادارہ ہے جو آئندہ کے لئے پالیسی اور لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ اس کے اراکین صوبائی مجلس عمومی کے ہر پانچ اراکین میں سے ایک کے تناسب سے لئے جاتے ہیں۔ صوبائی ذمہ دار حضرات مرکزی مجلس عمومی کے اراکین کی فہرستوں میں تبدیلی وغیرہ کے بارے میں لکھیں۔ صوبائی بلوچستان کے صوبائی ذمہ دار حضرات اپنی مجلس عمومی کے ناموں کی فہرست فوری طور پر ارسال کر دیں۔ اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر صوبائی صدر حضرات اراکین مجلس عمومی کو اجلاس میں شرکت کا پابند کریں۔ ویسے مرکز کی طرف سے دعوت نامے ارسال کئے جا رہے ہیں۔

آزاد کشمیر کنونشن

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان آزاد کشمیر کا ایک روزہ کنونشن ۱۷ مئی کو مدرسہ تعلیم القرآن پلنڈری میں ہوگا جس میں قائد طلبہ جناب جاوید ابراہیم پراچہ، مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان، مرکزی ناظم اطلاعات طارق مسعود، مرکزی ناظم مالیات حافظ اطہر عزیز ضلع لاہور کے صدر خالد محمود ٹیپو اور دیگر حضرات بھی شرکت کریں گے۔

خانپور اجتماع کے لئے وفد

مدرسہ مخزن العلوم خانپور کے فضلاء کی دستار بندی کے موقع پر منعقدہ تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے جمعیۃ طلبہ اسلام کا ایک وفد لاہور سے روانہ ہوگا۔ یہ وفد ۱۶ اپریل کو لاہور سے روانہ ہوگا اور ۱۷ کو خانپور پہنچے گا۔ اس وفد میں جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی اور صوبائی قائدین شریک ہوں گے۔

شہدائے بالاکوٹ کانفرنس

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاہور کے زیر اہتمام شہدائے بالاکوٹ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یہ کانفرنس برکت علی اسلامیہ ہال بیرون موچی دروازہ لاہور میں منعقد ہوگی۔ اس کانفرنس میں مولانا مفتی محمود، مولانا عبید اللہ انور، مولانا محمد اجمل خان، نوابزادہ نصر اللہ خان، خان اشرف خان، عبد المتین چوہدری ایڈووکیٹ میاں محمد عارف ایڈووکیٹ، جاوید ابراہیم پراچہ ندیم اقبال اعوان، ظہیر میر اور خالد محمود سومرو کو مدعو کیا گیا ہے۔ تفصیلی پروگرام کا اعلان شہدائے بالاکوٹ کانفرنس کے منتظم اعلیٰ

جناب خالد محمود ڈھیپو عنقریب ایک پریس کانفرنس میں کریں گے۔

صوبائی صدر صاحبان کے نام

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ، پنجاب، بلوچستان اور سرحد کے صدر صاحبان کو ہدایت کی گئی ہے کہ

اپنے صوبہ کی مکمل ضلع وار تفصیلی رپورٹیں تیار کر کے مرکزی مجلس عمومی کے اجلاس سے قبل ارسال کریں یا لکھ کر ہمراہ لائیں۔

اپنے صوبہ کے تمام اضلاع اور شاخوں کے مکمل پتے مرکزی دفتر ارسال کریں۔

حسب ذیل شائع شدہ مرکزی مجلس عمومی کی صوبہ فہرست پر نظر ثانی کر کے مرکز کو مطلع کریں۔ ان ساتھیوں کو مجلس عمومی کے اجلاس میں شرکت کے لئے آمادہ کریں اور جمعیۃ طلبہ اسلام کو فعال تنظیم بنانے کے لئے تجاویز انفرادی اور اجتماعی طور پر مرتب کریں۔

صوبائی کارکردگی کی رپورٹیں علیحدہ مرتب کر کے ہمراہ لائیں۔

مرکزی مجلس عمومی

پنجاب = ۱۸

میاں محمد عارف، محمد ظہیر میر، حافظ محمد عزیز، خواجہ عزیز الرحمٰن، محمد ادریس، خضر حیات، ملک خلیل احمد اعوان، ندیم اقبال اعوان، میاں محمد اکمل قادری، ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ، طارق مسعود، عبدالرؤف ربانی، خالد محمود ڈھو، محمد افضل، عبدالخالق ندیم، رانا محمد افضال، محمد حفیظ خان، حافظ محمد اکرم

سندھ

اراکین = ۱۴

بشیر احمد قریشی، عبدالحی نوناری، محمد الیاس تمنا، نور احمد سندھی، محمد اسلم وسیر، عبدالغنی انصاری، محمد فاروق قریشی، سراج احمد شاہ امروٹی، سیف الرحمٰن ارائیں، دین محمد قریشی، عبدالقیوم مہر، انور علی راجپوت، عبدالقیوم طاہر، نذیر احمد بھوار

سرحد

اراکین = ۱۴

عبدالوہاب صابر، حامد علی رحمانی، عبدالرحیم فاروقی، محمد اسمٰعیل قریشی، زردلی خان، سید نصیب علی شاہ بخاری، اکرام اللہ جان، حبیب اللہ حامد، محمد ادریس، عبدالودود، نجیم خان، قاری محمد افضل، ارشد سعید، فضل قدیر

بلوچستان

بلوچستان کے اراکین کی لسٹ موصول نہیں ہوئی تاہم کنوینگ باڈی کے اراکین کو دعوت دی گئی ہے۔

نجیم خان سے اظہار تعزیت

جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ، جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سرحد کے ناظم عمومی جناب نجیم خان کے والد محترم کی وفات پر اظہار تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے اور ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ مرحوم کے لئے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر کی دعا کی۔

- جمعیۃ طلبہ اسلام کراچی ڈویژن کے ناظم عمومی جناب عبدالقیوم طاہر نے جناب نجیم خان کے والد محترم کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
- جمعیۃ طلبہ اسلام پچھی بنڈہ کے اراکین نے ایک خط کے ذریعے جناب نجیم خان کے والد محترم کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی ہے۔

قمبر میں جمعیۃ کا اجتماع

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع لاڑکانہ کے زیر اہتمام قمبر شہر میں ۱۱ اپریل کو کارکنوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوگا جس میں مولانا محمد شاہ امروٹی مدظلہ مہمان خصوصی ہوں گے جبکہ اس اجتماع سے مولانا عبدالکریم بیر شریف، ڈاکٹر نذیر احمد بھوار اور خالد محمود سومرو خطاب کریں گے۔

کھلا دعوت نامہ

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس عمومی کا اہم اجلاس ۱۴-۱۵ مئی بروز بدھ جمعرات کو صبح نو بجے شیرانوالہ گیٹ لاہور میں منعقد ہوگا۔ تمام اراکین مجلس عمومی سے درخواست ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے شریک ہوں۔ دعوت نامے جاری کئے جا رہے ہیں۔ تاہم جن حضرات کو دعوت نامہ موصول نہ ہو وہ اسی اطلاع کو دعوت نامہ سمجھیں۔

ایجنڈا

۱۔ تنظیمی صورتحال کا جائزہ
۲۔ تعلیمی پالیسی کے بارے میں جمعیۃ کا موقف
۳۔ مالیاتی شعبہ کا استحکام
۴۔ مرکزی تنظیم میں اہم تبدیلیاں
۵۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل
۶۔ دیگر امور با اجازت صدر

ندیم اقبال اعوان، ناظم عمومی، جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان